# مثالی سیرت

تالیف

استاذ عبدالرحمٰن عزّام

ترجمہ

مولانا محمد اسعد قاسمی

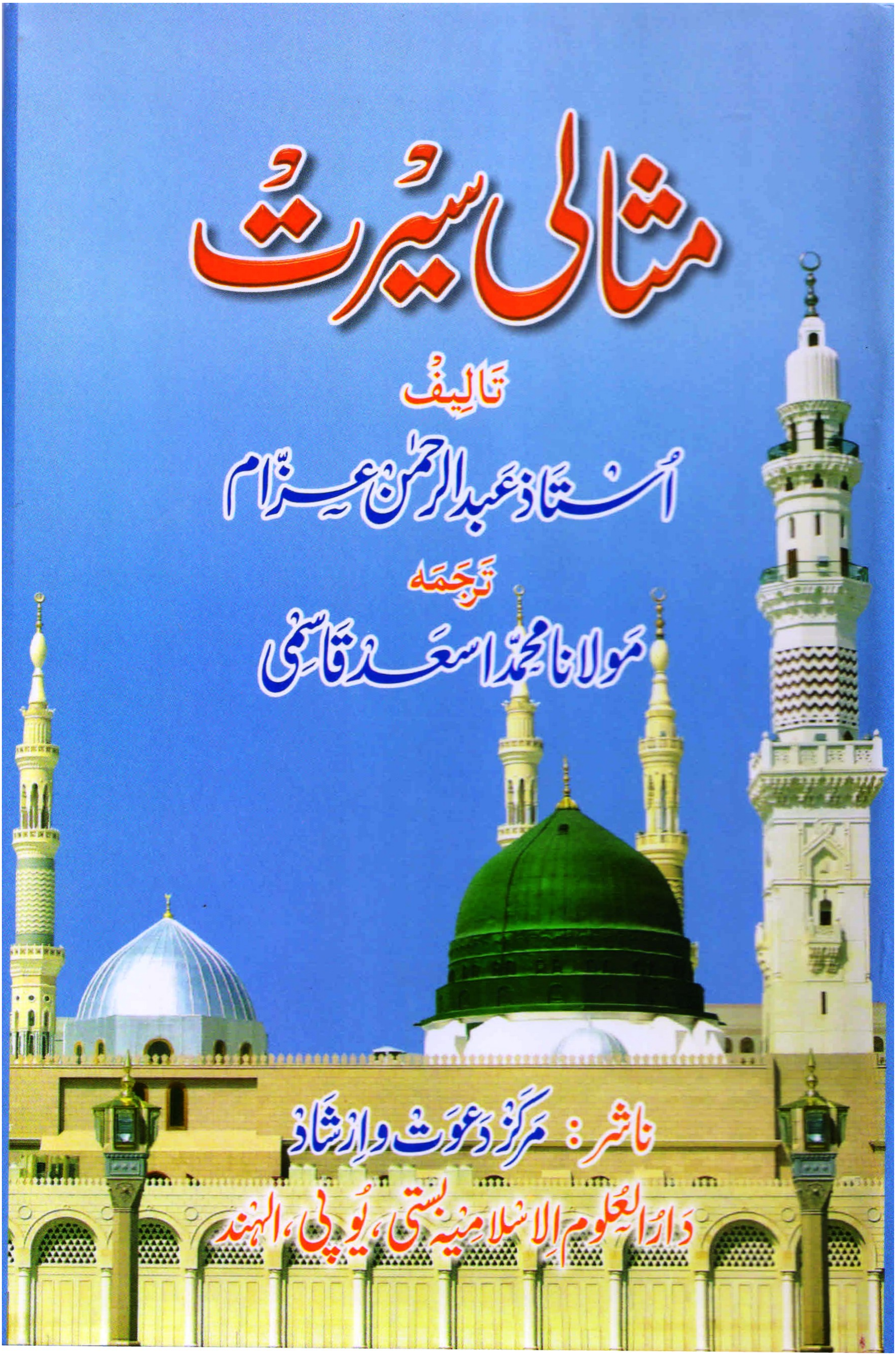

ناشر: مرکز دعوت و ارشاد
دار العلوم الاسلامیہ بستی، یوپی، الہند

# مثالی سیرت

یعنی

اردو ترجمہ ''بطل الابطال''

**تالیف**

## استاذ عبد الرحمٰن عزّام

**ترجمہ**

**مولانا محمد اسعد قاسمی**

مدیر مجلّہ ''فکر اسلامی'' دار العلوم الاسلامیہ بستی

Mob: 9415162702

**ناشر**

مرکز دعوت وارشاد دار العلوم الاسلامیہ بستی، یوپی، الہند

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

| | | |
|---|---|---|
| Name of the Book | : | **MISALI SEERAT** |
| Name of Edited | : | Ustaz Abdur Rahman Azzam |
| Name of Translator | : | Maulana Mohammad Asad Qasmi |
| 4th Editon | : | 1437AH/2016AD |
| Published By | : | **Markaz Dawat Wa Irshad** |
| | | **Darul Uloom Al- Islamia Basti** |
| Distributor | : | **Islamic Book Foundation** |
| | | 1781, Hauz Suiwalan, New Delhi - 110002 |
| Pages | : | **184** |
| Price | : | 150/- |

نام کتاب: مثالی سیرت

مؤلف: استاذ عبدالرحمٰن عزام

مترجم: مولانا محمد اسعد قاسمی مدیر "مجلہ فکر اسلامی" دارالعلوم الاسلامیہ بستی

Mob: 09415162702, E-mail: baqer9386@yahoo.com

چوتھا ایڈیشن ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء

صفحات: ۱۸۴

قیمت: ۱۵۰/روپئے

کمپوزنگ: تصور حسین قاسمی کمپیوٹر سینٹر دارالعلوم الاسلامیہ بستی

مطبع: ڈائمنڈ آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی

ناشر: مرکز دعوت وارشاد دارالعلوم الاسلامیہ بستی

## ملنے کے پتے:

(۱) اسلامک بک فاؤنڈیشن، 1781، حوض سوئیوالان، نئی دہلی:۲

(۲) دارالکتاب دیوبند، یوپی

(۳) کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، یوپی

(۴) مدرسہ امدادیہ چوراہا گلی، مرادآباد، یوپی

# فہرست عناوین


- عرض مترجم ........................ ۴
- تقدیم ........................ ۷
- مقدمہ طبع اول ........................ ۹
- مقدمہ طبع ثانی ........................ ۱۱
- تلاشِ حق اور صبر وثبات ........................ ۱۲
- ہمت وشجاعت ........................ ۲۳
- ایفائے عہد ........................ ۳۵
- زہد وقناعت ........................ ۴۵
- تواضع، سادگی وبے تکلفی ........................ ۵۹
- عبادت وریاضت ........................ ۷۱
- عفو ودرگذر ........................ ۸۵
- رحم وکرم ........................ ۹۵
- فصاحت وبلاغت ........................ ۱۰۸
- حُسنِ سیاست اور معاملات میں حکمت ........................ ۱۱۹
- فوجی تربیت میں آپ ﷺ کے اثرات ........................ ۱۳۷
- غزوۂ بدر کا فوجی پہلو ........................ ۱۴۳
- آزادئ عقیدہ کا دفاع ........................ ۱۴۹
- سیاستِ نبویہ کی کچھ مثالیں ........................ ۱۵۹
- دعوتِ محمدیہ کے اثرات وثمرات ........................ ۱۶۹
- شکل وشمائل نبویہ ........................ ۱۸۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرضِ مترجم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين ورحمة للعالمين محمد بن عبد الله الأمين وآله وصحبه أجمعين ومن تبعهم باحسان ودعا بدعوتهم الى يوم الدين.

امابعد! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں یہ معجزہ بھی باعثِ غور وفکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ساز اور عہد آفریں شخصیت نے انسانی تاریخ میں سیرت وتاریخ کے فن کو بھی سب سے زیادہ متأثر کیا ہے کہ مسلم اور غیر مسلم لکھنے والوں نے سیرتِ نبویہ پر اِس کثرت سے لکھا ہے کہ اس کی بدولت ایک بڑی اور مستقل سیرت لائبریری اور کتب خانہ قائم ہوسکتا ہے، اور اسے "ورفعنا لك ذكرك" کی تفسیر وتعبیر بھی کہا جاسکتا ہے کہ چار دانگِ عالَم میں کوئی سرزمین ایسی نہ ہوگی جس کی فضاؤں میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی کی آوازنہ بلند ہوتی ہو۔

یہ پورے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ہر شب وروز لاکھوں کروڑوں زبانوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ جمیل آتا رہتا ہے اور سیرت وسوانح اور تاریخ لکھنے والوں کے قلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر کرتے رہتے ہیں۔

سیرت نبویہ کی اِس وسعت وکثرت کا سبب صرف خوش عقیدگی نہیں بلکہ وہ عشق نبوی اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کے بغیر کوئی مؤمن، مؤمنِ کامل نہیں ہوسکتا

اور جوامت بلکہ عالَمِ انسانیت پر آپ ﷺ کے بے پایاں احسانات کا فطری تقاضا بھی ہے، اس کے علاوہ دنیا کے عظیم ترین، جامع الجہات اور جامع الصفات اور مجموعۂ کمالات انسان ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کا ہر قول و فعل مثالی اور معیاری ہے اور حیاتِ مبارکہ کا ہر گوشہ اور ہر پہلو سارے عالَم کے لئے لائقِ تقلید نمونہ اور اسوۂ حسنہ ہے، اس لئے بھی آپ ﷺ کے سیرت نگاروں کو آپ ﷺ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی آرزو و جستجو رہتی ہے اور وہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کے لئے اس مثالی انسان کی مثالی و معیاری زندگی سے سبق اور ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہیں جو صرف مسلمانوں کی ضرورت نہیں بلکہ عالِم انسانی کی مجموعی ضرورت ہے تاکہ اس کے ذریعے اچھے انسانوں کی تعلیم و تربیت ہو اور ایک پُرامن، عدل پرور اور اعتدال پسند انسانی معاشرے کی تعمیر و تشکیل ہو سکے۔

مؤلف کتاب اور عربی کے مشہور اہل قلم عبدالرحمٰن عزّام نے اسی خیر اندیشی و نیک نیتی سے یہ قابل قدر کتاب ''بطل الابطال ﷺ'' کے نام سے آج سے نصف صدی پہلے لکھی تھی جو قاہرہ ریڈیو سے بھی نشر ہوتی رہی ہے اور سعودی عرب اور دوسرے عرب ممالک کے کالجوں اور اسکولوں کے نصابِ تعلیم میں بھی شامل ہے اور اسے سعودی وزارتِ تعلیم اور رابطۂ عالم اسلامی شائع کرتے رہتے ہیں۔

سیرت پر تاریخی ترتیب سے لکھنا آسان ہے مگر سیرت کے ایک ایک پہلو اور موضوع کے تحت سیرت کے واقعات کو جمع کرنا بہت مشکل کام ہے جس کو مؤلف نے بخوبی انجام دیا ہے اور سیرت کے ذخیرے کو کھنگال کر اہم اور نمایاں واقعات اور آپ ﷺ کے مثالی اخلاق و فضائل کے غنچہ و گل سے مشامِ جاں کو معطر، قلب کو منوّر اور ذہن و دماغ کو مسحور و مسخر کرنے والا یہ بہار آفریں بلکہ سدا بہار گلدستہ تیار کیا

ہے جس کے لئے بجا طور سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ؎

بہارِ عالمِ حسنش دل وجاں تازہ می دارد
برنگ اصحابِ صورت را، بہ بُو اربابِ معنیٰ را

خاکسار مترجم کو قلبی وروحانی مسرت ہورہی ہے کہ مستقل تصنیف کے ذریعے نہیں تو کم ازکم سیرت کی ایک عمدہ کتاب کے ترجمے ہی کے ذریعے اُسے بھی خدّامِ سیرت کی فہرست میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہورہی ہے ؎

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیۂ گُل شود بس است

اِس موقع پر دارالعلوم الاسلامیہ بستی کے دو مؤقر استاذوں جناب مولانا مفتی مبارک حسین قاسمی ومولانا مفتی محمد یحییٰ قاسمی صاحبان کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جنہوں نے کتاب میں درج احادیث کی تخریج اور تلاش وجستجو میں بڑا تعاون کیا۔ فجزاهما الله احسن الجزاء.

امید ہے کہ اس کتاب سے سیرت کے اردو ذخیرے میں ایک وقیع وگرانقدر اضافہ ہوگا اور وہ عام مسلمانوں اور سیرت کے قدر دانوں کے اندر اتباعِ سنت اور اصلاحِ احوال واعمال کا جذبہ پیدا کرے گی۔

محمد اسعد قاسمی
مدیر مجلّہ فکر اسلامی
دارالعلوم الاسلامیہ بستی
یکم ربیع الاول ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۱ر مارچ ۲۰۰۷ء

# تقدیم

از: استاذ محمد مصطفیٰ المراغیؒ سابق شیخ الازہر جامع ازہر مصر

یہ تقریریں دو سال پہلے استاذ عبد الرحمٰن بک عزّام نے نشر کی تھیں جن کو سامعین نے بہت پسند کیا اور ان کا شکریہ ادا کیا تھا ان میں سے بہت سے لوگوں نے یہ خواہش کی کہ یہ تقریریں شائع ہو جائیں تا کہ ان سے نہ سننے والے بھی مستفید ہوں اور سننے والے بھی ان کو یکجا پڑھ سکیں اور ان پر اچھی طرح غور وفکر کر سکیں اور عام قارئین بھی فائدہ اٹھا سکیں۔

استاذ عزّام نے اپنی تقریروں کے لئے ایک عظیم الشان موضوع کا انتخاب کیا جس میں عبرت وموعظت اور اسوہ ومثال بننے کا بڑا سامان ہے جو تفکر وتدبر سے بھی ختم نہیں ہوتا ہے اور وہ موضوع حضور خاتم النبیین ﷺ کی سیرتِ پاک ہے۔

انہوں نے یہ بھی اچھا کیا کہ سیرتِ نبویہ اخلاقی پہلو کو اپنا موضوع بنایا کیونکہ آج لوگوں کو اخلاقِ محمدیہ کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، چنانچہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے اخلاقِ حسنہ بیان کئے اور موقع کی مناسبت سے آپ ﷺ کے اوصافِ کریمانہ کی تفصیل بیان کی، انہوں نے یہ اچھا کام بھی کیا کہ واقعاتِ سیرت سے ان پہلوؤں کا انتخاب کیا اور ان کی اہمیت کو دلائل وبراہین کی روشنی میں ثابت کیا اور کسی دعویٰ کو بے دلیل نہیں چھوڑا بلکہ ان دعوؤں کے ثبوت میں سچے واقعات وروایات کی گواہی بھی فراہم کی۔

مؤلف محترم نے رسول اللہ ﷺ کی حق پسندی اور اس پر ثابت قدمی، شجاعت ووفاداری، زہد وقناعت، تواضع وعبادت، عفو ودرگزر، رحم وکرم، فصاحت وبلاغت، حُسنِ سیاست وحکمت عملی اور فرد وجماعت پر دعوتِ محمدیہ کے

گہرے اثرات سے بحث کی ہے اور لوگوں کے سامنے ایک بہترین انسانی سیرت اور اخلاقی تاریخ کا سب سے عمدہ نمونہ اور عظمت کی نادر مثال رکھی ہے، وہ عظمت جو قلب وروح کی گہرائیوں سے حاصل ہوتی ہے، جسے کوئی انسان دولت وطاقت، جاہ ومنصب سے بھی حاصل نہیں کرسکتا ہے بلکہ وہ اسے ذاتی اور پیدائشی طور سے حاصل ہوتی ہے نہ اس میں اس کی خوش حالی سے اضافہ ہوتا ہے اور نہ بدحالی سے کوئی کمی واقع ہوتی ہے اور نہ امیری میں اس کا ظہور ہوتا ہے نہ فقیری میں اس کا اخفا ہوتا ہے اور نہ اس میں اقتدار سے برتری آتی ہے نہ اس کے زوال سے کمتری پیدا ہوتی ہے، نہ کوئی کامیابی اسے مضبوط کرتی ہے نہ ناکامی اسے کمزور کرتی ہے بلکہ وہ مستقل عظمت، عظیم انسان کی ذات میں اُسی طرح قائم ودائم رہتی ہے جیسے قوانینِ الٰہیہ زمین وآسمان میں قائم رہتے ہیں اور وہ عظمت اُس عظیم شخص کے اعمال میں اِس طرح جاری وساری رہتی ہے جیسے ارادۂ الٰہی اس کے اعمال وسنت میں سرایت کئے ہوتا ہے۔ ﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا﴾ (فاطر:۴۳) استاذ عبدالرحمٰن عزّام نے اِس مثالی سیرت کے انتہائی اہم پہلوؤں سے بحث کی ہے اور ان کے جلال وجمال کو دکھایا ہے اور ان کے دلائل وبراہین بھی پیش کئے ہیں جن سے سیرتِ محمدیہ میں انسانیت اپنی کامل شکل وصورت میں جلوہ گر دکھائی دیتی ہے۔

مؤلف نے یہ خدمت اچھے انداز سے انجام دی ہے، ہمیں امید ہے کہ کتاب کی خوبی اور مصنف کی محنت، ان کے عظیم مقصد اور ان کے خلوصِ نیت کے مطابق (جس کا اظہار اُن کی ہر ہر سطر سے ہوتا ہے) اِس کتاب سے لوگ مستفید بھی ہوں گے، اللہ انہیں جزائے خیر دے جو محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے۔

# مقدمہ (طبع اول)

میں نے جب ابطال ومشاہیرِ عرب کی سیرت پر کچھ نشریات کا ارادہ کیا (کہ اِس عظیم قوم نے کتنے ہی مشاہیر پیدا کئے ہیں) تو میں نے ان کی سیرتوں کی تفتیش کی اور شہرت وعظمت کا ارتقائی جائزہ لیتے ہوئے اس کی بلندترین چوٹی تک پہنچ گیا جس کی آرزو نے اُن نفوس میں بلندی پیدا کردی اور جب انہوں نے اُس اعلیٰ مثال کو دیکھا تو اُن کے دل بھی عظمت ورفعت سے معمور ہو گئے۔

میں نے اُن کی عظمت کے اسباب وعلل کی جب جستجو کی تو اُن کے سرچشمے کا پتہ چلا اور اُن کی وہ منزل معلوم ہوئی جہاں سے انہوں نے آغازِ سفر کیا تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس بلندترین چوٹی کی طرح دکھائی دیئے جو اُن سب کا مطمحِ نظر تھی اور ان کی ذاتِ گرامی وہ اعلیٰ مثال تھی جس کی انہوں نے تقلید کی تھی اِس طرح آپ ﷺ کی سیرت اُن کی عظمتوں کا مصدر ومبدأ نظر آئی، اس لئے میں نے معلم الابطال وامام المشاہیر ﷺ کی سیرت سے اس سلسلے کے آغاز کا ارادہ کیا اور آپ ﷺ کو بطلِ اعظم قرار دے کر ابطال کی اِس گفتگو کی ابتدا کی۔

پھر میں نے سوچا کہ اِس گفتگو کے مخاطب مُقر ومُنکر، مسلم وغیر مسلم دونوں ہی ہیں اس لئے مجھے مشاہیر کے ساتھ سید البشر ﷺ کی بات بھی کرنا چاہئے تا کہ مختلف مذاہب کے لوگ اُس بے مثال سیرت سے واقف ہوسکیں جو عظمتِ بشری کی معراج ہے اِس طرح میں نے اپنی معلومات اور فرصت کے مطابق اس ابدی سیرت سے اجمالی بحث کی تا کہ یہ ابطالِ عرب پر گفتگو کا دیباچہ اور تاریخِ انسانی کی بہترین سیرتوں کا مقدمہ بن جائے مگر اس سلسلے کو جاری رکھنے اور آگے بڑھنے کی راہ

میں کچھ موانع پیش آ گئے اور مجھے اِس امید کے ساتھ ٹھہر جانا پڑا کہ میں خود یا کوئی اور اِس سلسلے کی تکمیل کر سکے گا۔

مجھے یہ احساس ہے کہ میں سیرتِ گرامی ﷺ کو اُس کی عظمت اور اپنے ارادے کے مطابق نہیں پیش کر سکا، مگر اِس شروعات سے مجھے امید ہے کہ اِس طرز پر سیرت پر جامع اور ہمہ گیر تحریریں سامنے آئیں گی اور اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں ہماری دستگیری و رہنمائی اور سید البشر رسول اللہ ﷺ کی سیرت و اسوۂ حسنہ کی پیروی کی توفیق بخشے گا۔

عبدالرحمٰن عزّام

۱۲؍رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ/ ۱۵؍نومبر ۱۹۳۸ء

# مقدمہ (طبع ثانی)

میں تقریباً بیس سال سے مصری ریڈیو سے ابطال ومشاہیر کا تعارف کراتا رہا ہوں جب میں نے سید العرب بلکہ سید البشر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف شروع کیا تو دیگر تمام ابطال ومشاہیر میری نظر میں ہیچ ہوگئے، میری ریڈیائی تقریروں پر مشتمل یہ کتاب تیار اور شائع ہوئی تو لوگوں نے اس کے متعلق اچھے خیالات کا اظہار کیا اور بہت سے لوگوں نے اس کی افادیت کے پیش نظر اس کی مزید اشاعت کی خواہش ظاہر کی کیونکہ اس کتاب میں انہیں سیرتِ رسول ﷺ کا ایک جامع خلاصہ نظر آرہا تھا جو تمام مستند مصادر سے تیار کیا گیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمایاں صفات سے بحث کے دوران میں مختلف زبانوں میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا تھا اور مجھے کسی مختصر کتاب کی تلاش تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں اس میں ناکام رہا۔

میرا خیال ہے کہ یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود تمام واقعات پر مشتمل ہے، چنانچہ آج ۲۰/سال بعد بھی جب میں اسے پڑھتا ہوں تو وہ میرے اندر سیرت کا وہ شعور واحساس پیدا کرتی ہے جو کوئی بڑی کتاب ہی کرسکتی ہے۔

مجھے امید ہے کہ اِس کتاب کی سادگی وسہولت عرب اور مسلم نوجوانوں میں تمام قدیم وجدید مذاہب کے مقابلے میں اپنے دین ومذہب کی برتری کے شعور کے ساتھ ان میں یہ احساس بھی پیدا کرے گی کہ پیغمبر اسلام ﷺ ہی اِس زمانے بلکہ ہر زمانے کے انسان کے لئے مثالی رہنما ہیں جو ایک بہترین زندگی گزارنا چاہتا ہے، جو مسلم نوجوان مشاہیرِ عالم سے متأثر ہوکر ان کی تقلید کرنا چاہتے ہیں، اُنہیں بھی سیرت کی اِس کتاب سے یہ احساس ہوگا کہ اُن سب سے برتر اور لائق تقلید ہستی اِس امت کے امام وسردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔

عبدالرحمٰن عزام

قاہرہ، جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ/ جنوری ۱۹۵۴ء

# ۱

# تلاشِ حق اور صبر و ثبات

مشاہیر کا تذکرہ اور اُن کے بارے میں گفتگو بہت پسندیدہ اور دلچسپ ہوتی ہے کیونکہ وہ انسانی تاریخ میں ہدایت کا علم اور اندھیروں میں روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اُن مشاہیر میں کچھ ایسے ہیں جو اپنے حلقۂ اثر و اقتدار کی وسعت کی وجہ سے امتیاز رکھتے ہیں کہ ان کے راستے میں قومیت و عصبیت اور زمانے کی کوئی رکاوٹ ٹھہر نہیں سکی، اس لئے تاریخِ انسانیت میں وہ بہت نمایاں ہیں اور ان کی اصلاحات کو بقائے دوام حاصل ہے اور ایسے لوگوں میں بھی تمام مفکرین کے نزدیک سب سے عظیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

چنانچہ کارلائل آپ ﷺ کے بارے میں کہتا ہے کہ "ان کی پیدائش ظلمتوں میں روشنی کی پیدائش تھی، سر ولیم میور کہتا ہے کہ "محمد کے ظہور کے وقت دنیا کی اصلاح سب سے مشکل بات تھی لیکن ہمیں کسی اور کامیابی و اصلاح کا علم نہیں سوا اس کے کہ جو اپنی وفات کے وقت وہ چھوڑ گئے"۔ لیونارڈ کہتا ہے کہ "اگر کسی نے روئے زمین پر اللہ کو پہچانا ہے اور اس کے لئے مخلص رہا ہے اور پورے جذبے اور نیک نیتی کے ساتھ اس کے دین کی خدمت کے لئے وقف رہا ہے تو وہ شخص بلاشبہ نبی عرب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں"۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے کہ "محمد ﷺ کو اپنے مشن میں ایسی کامیابی ملی جو

کسی نبی اور دینی مصلح کو کسی زمانے میں نہیں ملی تھی''۔

باسورتھ اسمتھ لکھتا ہے کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلا اختلاف سب سے بڑے مصلح ہیں''۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی نظر میں خاتمِ انبیاء و رُسل اور مشاہیر کے معلم و مربی ہیں، اور مفکرینِ عالم کی نگاہ میں دنیا کے سب سے بڑے مصلح ہیں، اس لئے عظمت سے بحث کرتے ہوئے سب سے پہلے اُنہیں سے شروعات کرنا چاہئے۔

۱۹۲۸ء میں پہلی بار محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر کھڑا تھا اور اُن کی عظمت و رفعت کے شعور سے سرشار ہو رہا تھا اور مجھے قبر مبارک کی پاکیزگی کا احساس ہو رہا تھا، اور ابدیت کی خوشبو محسوس ہو رہی تھی، یہاں ایسی روحِ مبارک موجود ہے جو ماضی کے دریچوں سے فیض پہنچا رہی ہے، یہاں مشاہیر میں سب سے مشہور شخصیت آرام فرما ہے جسے ہر شخص ایک مثالی نمونہ سمجھے گا۔ میں آئندہ اسی عظمت کی دریافت کی کوشش کروں گا۔

آپ ﷺ کی مردانگی کا پہلو میرے اور دوسرے لوگوں کے احساسات کو ہمیشہ متأثر کرتا رہے گا، خواہ وہ مومن ہوں یا منکر، کیونکہ اگر رسولِ اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم فطری طور سے رسالتِ عظمیٰ کے لئے مستعد و تیار نہ ہوتے تو رسول بھی نہ ہوتے اور اگر ان کی نورانی روح اُلوہی قوتوں سے اتصال کی غیر معمولی اہلیت نہ رکھتی تو اس کی طرف کلمۃ اللہ کا القاء بھی ممکن نہ تھا، قرآن کریم نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

﴿اللّٰهُ أَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ (الانعام:۱۲۴) ''اللہ ہی اُسے بہتر جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت رکھتا ہے''۔ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف وحی

آنے اور رسول ہونے سے قبل ہی ایک عظیم انسان کی شکل میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ بچپن ہی سے بتوں کی پوجا سے متنفر تھے جب کہ وہ اُن کے آباء واجداد کے معبود سمجھے جاتے تھے اور وہ تمام عرب میں اُن کی عزت کا باعث سمجھے جاتے تھے۔

آپ ﷺ بچپن ہی سے صادق ووفادار اور اپنی قوم میں محبوب ومعزز تھے اور ان کی قوم نے انہیں ''صادق وامین'' کا لقب دے رکھا تھا۔

اُن کی عظمت وفضیلت ان کے عہد شباب ہی سے ظاہر تھی، چنانچہ قریش کی ایک صاحب ثروت اور عالی نسب خاتون نے ان کے فقر وتنگ دستی کے علم کے باوجود ان سے رشتۂ ازدواج قائم کیا، جب پہلی بار آپ ﷺ نے کوہِ صفا سے اپنے خاندان کو اپنے دین کی دعوت دی تو یہ فرمایا ''اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کی اوٹ سے تم پر ایک فوج حملہ آور ہونے والی ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ تو لوگوں نے کہا کہ ہم نے آپ کے جھوٹ بولنے کا کبھی تجربہ نہیں کیا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سن لو کہ میں تمہیں ایک شدید عذاب سے ڈرانے والا ہوں'' (۱)۔

آپ ﷺ نبوت سے پہلے بھی ظلم اور کمزوروں کی حق تلفی کو سخت ناپسند کرتے تھے، چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں آپ ﷺ نے سب سے زیادہ دلچسپی حلف الفضول کے معاہدے میں لی جو عرب کا شریف ترین معاہدہ تھا، اس کا سبب یہ ہوا تھا کہ زَبِیدُ (یمن) کے ایک آدمی نے عاص بن وائل سہمی سے کوئی سامان بیچا لیکن سہمی نے قیمت میں بے ایمانی کی جس کا زبیدی نے اپنے قصیدے میں ذکر کیا۔ مطلع یہ تھا۔

یـا آلَ فِهْـرٍ لـمظـلومٍ بِضـاعتُـهُ

بِبَـطْـنِ مَـكَّـةَ نَـائِـي الـدَّارِ وَالنَّفَر

(اے آل فہر ایک مظلوم کی مدد کرو، جس کا سامان مکہ میں ہے اور وہ گھر اور

اہل وعیال سے دور ہے)

جب بنو ہاشم نے یہ قصیدہ سنا تو انہوں نے حلف الفضول کے نام سے ایک معاہدہ کیا، اور اسکے تحت وہ کسی مکی یا غیر مکی کو مظلوم پاتے تو وہ ظالم کے خلاف اس کا ساتھ دیتے اور ظالم سے اس کا حق دلواتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسول ہونے کے بعد اس معاہدے کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ ''عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ایک معاہدے میں شریک ہوا تھا، جس کے بدلے میں میں سرخ اونٹ بھی لینا پسند نہ کروں گا، اور اگر زمانۂ اسلام میں بھی ایسے معاہدے کے لئے بلایا جائے تو میں اسے قبول کروں گا'' (۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ فقیر محتاج اور کمزور کی مدد کرنا اُنہیں سب سے زیادہ پسند تھا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کامل اخلاق اور انسانیت کے ساتھ پیدا ہوئے اور وہ کبھی اپنے ماحول کے تابع نہیں رہے، بلکہ تلاشِ حق اور اُس پر ثابت قدمی اُن کی صفاتِ حمیدہ میں نمایاں صفت تھی، اسلام کے بطلِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس نمایاں صفت کی ہم کچھ مثالیں دینا چاہیں گے۔

آپ ﷺ ہاشم، عبد مناف اور قُصَی کے موروثی امارت وریاست والے گھرانے میں پیدا ہوئے، قُصَی مکہ کے رئیسِ اعظم تھے، اور اُن کی قوم قریش، عربوں کے دین، بت پرستی پر قائم، کعبہ کی تولیت، سقایہ ورفادہ (پانی پلانے اور مہمانی کرنے) اور اُس شہر کے دوسرے عہدوں پر فائز تھی، لیکن اِس موروثی امارت نے انہیں طلبِ حق اور اس پر ثابت قدمی سے نہیں روکا اور انہوں نے اپنے آباء واجداد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اُس دینی نظام کی مخالفت کی جو اُن کے قبیلہ کا ذریعۂ فخر

وحکمرانی تھا، انہیں بنو عبد مناف اور بنو ہاشم ومطّلب کے گھرانے میں جو شفقت ورعایت ملی وہ اُس گھر کے کسی اور بچے کو نہیں ملی، وہ اُس گھر کے بیٹوں پوتوں میں واحد فرد تھا، جو سیدِ قوم اور اپنے دادا کے بستر پر بیٹھتا تھا۔ عبد المطلب کے لئے کعبہ کے سائے میں ایک فرش بچھایا جاتا تھا، اور ان کے بیٹے اس کے اردگرد بیٹھتے تھے۔ اوران کے احترام میں اس پر کوئی نہیں بیٹھتا تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بچپن میں اس پر بیٹھتے تھے، کبھی ان کے چچا انہیں وہاں سے اٹھانے کی کوشش کرتے تو عبد المطلب انہیں منع کرتے ہوئے کہتے، میرے بیٹے کو چھوڑ دو، بخدا اس میں کوئی خاص بات ہے۔ پھر وہ انہیں اپنے ساتھ بٹھاتے، ان کی پیٹھ سہلاتے اور انہیں دیکھ کر خوش ہوتے تھے (۳) اسی طرح ان کے چچا ابو طالب تجارت کے لئے شام کے سفر پر روانہ ہونے لگے تو آپ ﷺ ان سے لپٹ گئے، انہیں ترس آ گیا تو وہ کہنے لگے کہ بخدا میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا، اور وہ مجھ سے کبھی جدا نہ ہوگا، چنانچہ وہ انہیں اپنے ساتھ لے گئے، اور اس طویل پُر مشقت سفر میں ان کی ناز برداری کرتے رہے (۴) آپ ﷺ کے دادا اور چچا کی شفقت اور عنایت انہیں دین آباء کو تسلیم کرنے کے لئے کافی تھی مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعِ حق پسند، غیرِ حق پر مطمئن نہیں ہوئی اور جب انہوں نے حق کو پالیا تو اپنی محسن وناز بردار قوم کے مقابلے میں اس پر قائم رہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طلبِ حق کی اس مثال سے بڑی مثال اور کون سی ہوسکتی ہے؟ پھر جب قریش نے ابو طالب کے پاس اپنے زعماء کا وفد بھیجا کہ وہ اپنے بھتیجے کو نئے دین سے روکیں، یا فریقین میں سے کسی ایک کی وفات ہی تک اسے ملتوی کرنے کو کہیں تو ابو طالب کو یہ بات بہت گراں گزری اور انہیں عربوں کی اکثریت سے یہ خوف ہوا کہ وہ ان کے ساتھ ان کی قوم کو بھی مجرم ٹھہرائیں گے تو انہوں نے محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھیجا کہ آپ ﷺ کی قوم نے مجھے تنبیہ کی ہے تو مجھ پر اور اپنے اوپر رحم کیجئے اور طاقت سے زیادہ مجھ پر بوجھ نہ ڈالئے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بے مثال استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے جواب میں یہ فرمایا کہ ''چچا جان! واللہ اگر قریش کے لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں کہ میں یہ کام چھوڑ دوں تب بھی میں اسے چھوڑنے کا نہیں، یہاں تک کہ اللہ اسے غالب کردے یا میں اس راستے میں ہلاک ہو جاؤں'' یہ کہہ کر آپ ﷺ روتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے تو ابو طالب نے انہیں آواز دی کہ بھتیجے آؤ پھر آنے پر آپ ﷺ سے کہا کہ میرے بھتیجے جاؤ اور جو چاہے کہو، خدا کی قسم میں کسی بات پر تمہیں اُن کے حوالے نہیں کروں گا (۵)۔

بچپن میں محمد ﷺ کے رونے سے مجبور ہو کر ابو طالب انہیں شام لے گئے اور سنِ کہولت میں بُکائے محمدی نے انہیں اپنے اور اپنے گھر والوں کو ہلاکت کے خطرے پر آمادہ کر دیا، تو اگر محمد ﷺ کا دینِ حق اُن کے دل میں نہ اترا ہوتا تو ان کے چچا کی ایسی وفاداری و فداکاری انہیں اس دین سے روکنے کے لئے کافی ہوتی یا انہیں کم از کم صلح پر مجبور کرتی، جس سے ان کے چچا اور گھر والوں کی جان بخشی ہو جاتی۔ اب ہمیں کوئی بتائے کہ عقیدے پر ثابت قدمی کی اس سے بڑی کوئی مثال ملتی ہے؟ اور کیا کسی نے اپنے ایمان و یقین کا اس سے بڑھ کر کوئی امتحان دیا ہے؟

اب صورتِ حال یہ تھی کہ ابو طالب کو جان کی دھمکی دی جارہی تھی، قریش اور تمام عرب کی طرف سے تنبیہ کی جارہی تھی، ایسے حالات میں ابو طالب گڑگڑا کر رسول اللہ ﷺ سے اپنی رائے بدلنے کے لئے کہتے ہیں مگر اُدھر جواب میں انکار تھا اور گریہ وزاری تھی، غرض دونوں آدمیوں کے خلاف مخالفت کی آندھیاں چل رہی تھیں

اوران میں سے کمزور آدمی دوسرے کے دین کو ختم کرنا چاہ رہا تھا، کشمکش کی یہ نادر تصویر ہمیشہ کے لئے کشادہ قلبی، حریّتِ رائے، ہمدردی ووفاداری اور صبر وثبات کی مثال بن کر باقی رہے گی، جس میں رسول اللہ ﷺ حق پرستی اور عقیدہ کی پختگی کی سچی تصویر کی طرح نظر آئیں گے۔

ایک دوسری تصویر ملاحظہ ہو جو شرافت ووفا اور آزادیٔ رائے کی مثال ہے، آل عبدالمطلب کے ایک جوان کو دیکھئے جو شکار کا شوقین ہے اور ہر روز شکار کے لئے جاتا ہے اور واپسی پر کعبہ کا طواف کرتا ہے اور قریش کی مجلسوں میں جا کر ان سے بات چیت کرتا ہے، یہ جوان قریش کا معزز فرد ہے، اور دین محمدی سے بہت دور ہے، اس کا نام حمزہ بن عبدالمطلب ہے، وہ ایک روز شکار سے واپسی پر حسب معمول بتوں کا طواف کرتا ہے اسے اس کی باندی بتاتی ہے کہ ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) نے یہاں محمد ﷺ کو بیٹھا دیکھا تو انہیں گالی دی اور برا بھلا کہا اور چلا گیا، مگر محمد ﷺ کچھ نہیں بولے، یہ سن کر حمزہ غصہ ہو گئے اور قریش کے مجمع میں جا کر ابوجہل کو اپنی کمان سے زخمی کر دیا اور کہا کہ کیا تم انہیں گالی دیتے ہو تو سن لو کہ میں بھی اُن کے دین پر ہوں اور جو وہ کہتے ہیں وہ میں بھی کہتا ہوں (۶)۔

اِس صورتِ حال کا اندازہ کیجئے کہ قریش کا معزز ترین جوان جو بتوں کا پجاری اور ان کی محفلوں کا یار تھا، وہ اپنے بھتیجے کی عزت وآزادی کے لئے اپنی قوم اور اس کے دین سے بغاوت اور انہیں چیلنج کر دیتا ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی ووفاداری کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال ملتی ہے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے جو اس وفاداری کا مشاہدہ کرتے اور بنی عبدالمطلب کا غضب وغصہ بھی دیکھتے ہیں، مگر اپنے موقف سے ہٹتے نہیں بلکہ دنیا کو ٹھکراتے ہوئے فرماتے

ہیں ''اگر وہ سورج میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند میرے بائیں ہاتھ میں رکھ دیں تب بھی میں یہ دین نہیں چھوڑوں گا وہ یا تو غالب ہوگا یا میں اس کی راہ میں ہلاک ہو جاؤں گا''۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ حق سے کس درجہ عشق رکھتے ہیں اوراس کے لئے کیسی ثابت قدمی دکھاتے ہیں، اسی لئے میں اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صفت قرار دیتا ہوں۔

آپ ﷺ کی ایک اور تصویر دیکھئے، اُن سے قوم کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ کعبہ کے پاس گفتگو کررہے ہیں اوران سے کہہ رہے ہیں کہ بھتیجے! آپ جانتے ہیں کہ قبیلۂ قریش کتنا بڑا اور عالی نسب ہے اوراب آپ نے بڑی مہم شروع کردی ہے جس سے ان کی جماعت میں تفریق پیدا کردی ہے اوران کی امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے اوران کے معبودوں اوران کے دین کی عیب جوئی کی ہے اوران کے اسلاف کو کافر ٹھہرایا ہے، اب میری بات سنیئے میں چند باتیں کہتا ہوں جن میں سے کچھ شاید آپ کے لئے قابل قبول ہوں گی۔

اس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوالولید اپنی بات کہو، عتبہ نے کہا کہ اگر آپ اپنے دین کے ذریعہ مال حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو مالا مال کردیں گے اورآپ سب سے بڑے مالدار ہو جائیں گے۔ اوراگراس سے شرف وعزت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو سردار بنالیں گے اورآپ کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔ اوراگراس سے بادشاہت چاہتے ہیں تو آپ کو اپنا بادشاہ بنالیں گے اور جو فرشتہ آپ کو دکھائی دیتا ہے جسے آپ رد نہیں کر سکتے تو آپ کا علاج کرائیں گے اور مال خرچ کر کے آپ کو اس سے نجات دلائیں گے، کیونکہ جب کسی پر آسیب سوار ہوتا

ہے تو اس کا علاج کیا جاتا ہے، اسکی باتیں سن کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ ابوالولید اب مجھ سے سنو اور یہ آیات پڑھیں: ﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حٰمٓ تَنْزِيلٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ. بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ﴾ (سورۂ حم سجدہ: ۱-۴) (۷) قریش کے جواب میں آپ ﷺ نے اور آیات بھی تلاوت فرمائیں تو اگر حق جو آپ ﷺ کی رگ و پے میں جاری وساری تھا، آپ کا بڑا مقصد نہ ہوتا تو قوم کی یہ پیشکش آپ ﷺ کے جوش کو ٹھنڈا کر دیتی اور ان کے دین اور معبودوں سے بغاوت کے جذبے کو سرد کر دیتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے گھر میں حضرت خدیجہؓ اور ان کی بیٹیوں اور خدمت گاروں کے ساتھ دیکھیے جہاں وہ مسرور و مطمئن دکھائی دیں گے وہ خاتون قریش کی مالدار خاتون اور اعلیٰ خاندان کی تھیں، آپ ﷺ کے سامنے ہی ان کے مال میں اضافہ ہوا، اور آپ ﷺ دنیا کی فکروں اور ضرورتوں سے آزاد ہو گئے، محمدی گھرانے میں محبت اور حسن معاشرت کی ایک دلیل زید بن حارثہؓ کا قصہ بھی ہے، وہ ایک عربی آدمی تھے جو غلام بنا لئے گئے تھے، حضرت خدیجہؓ نے انہیں خرید کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کر دیا تھا، جنہیں آپ ﷺ نے آزاد کر دیا، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر ہی میں رہنے لگے، ان کے والد کو پتہ چلا تو فدیہ لے کر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے والد سے کہا کہ وہ آزاد اور بااختیار ہیں مگر زید نے اپنے والد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دی۔ (۸)

دوسری مثال اُن کے سب سے زیادہ واقف کار شخص یعنی ان کی زوجہ کی نظر میں ان کے مقام پر روشنی ڈالتی ہے جب آپ ﷺ پر پہلی بار وحی الٰہی نازل ہوئی

اور آپ ﷺ اُن کے پاس ترساں و ہراساں ہو کر آئے تو انہوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا ''ہرگز نہیں واللہ آپ کو خدا کبھی رسوا و ضائع نہ کرے گا، آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں، دوسروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور محتاج و فقیر کو خیرات دیتے ہیں، مہمانوں کی خبر گیری کرتے ہیں اور آفات میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں''۔(۹)

حضرت خدیجہؓ کے اِس قول و فعل میں بیتِ نبوی کے خوشگوار ماحول پر پوری روشنی پڑتی ہے، تو آخر آرام و سکون کے گھریلو ماحول سے کس چیز نے انہیں نکالا، اور اہل مکہ کے دین سے بغاوت پر آمادہ کیا جس سے انہیں اذیت و مصیبت کا سامنا کرنا پڑا؟ بیشک جس چیز نے انہیں اس ماحول سے نکالا وہ انہیں ان کی زوجہ، ان کی اولاد اور ان کے خاندان سے بھی زیادہ عزیز چیز تھی اور وہ حق پر ایمان لانا تھا جس کی انہوں نے دعوت دی اور جس کے سوا انہیں کچھ پسند نہ تھا اور جس کے لئے ان کی زندگی وقف تھی، یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت تھی جس کی نمایاں صفت حق کی محبت اور اس پر ثابت قدمی تھی۔

ایک بار میں لندن میں ریل میں سفر کر رہا تھا، تو ایک مستشرق سے میں نے پوچھا ''کیا آپ سمجھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسی بات بھی کہتے تھے جس کا انہیں یقین نہ ہو، تو انہوں نے کہا کہ نہیں ایسا نہیں تھا، اِس بات میں کوئی شک و شبہ ہی نہیں کہ وہ بالکل سچے تھے اور جو کچھ کہتے اور جس کی دعوت دیتے تھے اس پر پورا ایمان بھی رکھتے تھے، اُن کی اِس صفت کے تو محمد ﷺ کے دوست منکر ہیں نہ ان کے دشمن۔

حق ہی اُن کا مقصود تھا جس کے لئے انہوں نے جدوجہد کی، دشمنی مول لی، مصائب میں مبتلا ہوئے اور ہجرت و جہاد کیا، اب سب لوگوں کو حق کا طالب ہونا

چاہئے، جس کی سب سے اعلیٰ مثال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کردی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیادت کے میدان میں ایک مثال بن کر کھڑے رہے، اور اُن کے سامنے عرب وغیر عرب کے ابطال گزرتے رہے اور اب جب کہ صدیاں گزر چکی ہیں لیکن وہ اب بھی حق پر ثبات اور اِس دعوت کی سب سے بڑی مثال ہیں کہ سب اللہ کے بندے بن جائیں اور بھائی بھائی ہو جائیں۔

## مراجع ومصادر

(۱) صحیح مسلم ج:۱ص/۱۱۴

(۲) البدایہ والنہایہ ج:۱ص/ ۶۹۶

(۳) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/ ۱۶۸

(۴) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/۱۸۰

(۵) البدایہ والنہایہ ج:۲ص/ ۴۷

(۶) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/۲۹۲-۲۹۱

(۷) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/۲۹۴-۲۹۳

(۸) اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ ج:۲ص/ ۲۲۵-۲۲۴

(۹) البدایہ والنہایہ ج:۲ص/ ۵

# ۲

# ہمّت وشجاعت

اب ہماری گفتگو رسول اللہ ﷺ کی بے نظیر شجاعت کے بیان پر مشتمل ہوگی اس کے پس منظر کے لئے دعوتِ اسلامی کے ظہور کے وقت کے عرب معاشرے کی تصویر کشی کروں گا، اور اس دعوت سے قوم کا تنفر بیان کروں گا، تاکہ لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد اور اس کے لئے لازمی شجاعت کا اندازہ ہو سکے اسی طرح آپ ﷺ کے مختلف مواقف کی مثالیں پیش کروں گا جو بہ حیثیت جنگ آزما و دینی رہنما اور ایک سیاسی ومعاشرتی انسان کے آپ کی ہمت وشجاعت کو اجاگر کریں گی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو ایسی دعوت دی جس کے قبول کرنے سے ان کی زندگی بالکل بدل جاتی، یہ دعوت صرف ان کے دین سے متعلق نہ تھی بلکہ ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط تھی، اس میں سیاست ومعاشرت، اقتصادیات اور خانگی امور سب سے بحث تھی اور دوسری طرف ان کی قوم کے لئے اپنے آبائی وقومی دین کو چھوڑنا آسان بھی نہ تھا، اس لئے ان کی طرف سے اس دعوت کا انکار اور صاحب دعوت پر سختی متوقع تھی تاکہ وہ پھر آبائی دین کی طرف پلٹ آئیں، مکہ مکرمہ عرب زائرین کا مرکز، دینی مرجع ومصدر تھا، جس کے حج کے لئے لوگ عقیدت کے ساتھ آتے تھے، وہاں قریش کعبہ کے خدام اور محافظ تھے اور وہ اپنے اسی ممتاز مقام کی وجہ سے گرمیوں میں شام وعراق اور سردیوں میں یمن کا سفر کرتے تھے، اور ان کی جان مال اور تجارت کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا تھا

اوران کواس پر فخر بھی تھااور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو اپنا یہ احسان یاد دلاتے ہوئے فرمایا۔

﴿ لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ﴾ (سورۂ قریش) (چونکہ قریش خوگر ہو گئے ہیں یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے خوگر ہو گئے ہیں تو اس نعمت کے شکریہ میں ان کو چاہئے کہ اُس خانۂ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے ان کو امن دیا) اِس طرح محفوظ و معزز قریش کا اُس شخص کے خلاف ہونا فطری تھا جو اُن کے دین اور نظامِ حیات میں تبدیلی چاہتا ہو، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اولاً توحید کی دعوت دیتے تھے اور ثانیاً آخرت سے ڈراتے تھے، جب کہ قریش اپنے معبودوں کے سوا کسی معبود سے راضی نہ تھے اور قیامت و آخرت بھی ان کی عقل اور پسندیدگی سے باہر کی چیز تھی۔

اور بتوں کی پوجا اگر چہ آج قبول توحید کے صدیوں بعد عجیب وغریب چیز محسوس ہوتی ہے، لیکن عہد محمدی میں ایسا نہیں تھا، اور یہودیت ونصرانیت عربوں کی نفرت واستہزاء کا ہدف تھیں اور قوم کے دلوں میں بت پرستی جاگزیں تھی۔

ہمیں نہیں معلوم کہ عقل انسانی بت پرستی کو قبول کیسے کر لیتی ہے مثلاً حضرت موسیٰ کی غیر موجودگی میں بنی اسرائیل اس کی طرف مائل ہو گئے اور پیغمبر سے کہنے لگے کہ ان کی طرح ہمارے لئے بھی کوئی معبود بنا دیجئے، اسی طرح مصر کے پرانے لوگ ہزاروں سال تک طرح طرح کے بتوں، ستاروں اور حیوانوں کی پوجا کرتے رہے اسی طرح قریش کے لئے اپنے آباء کی موروثی پوجا کو چھوڑنا مشکل تھا اور وہ ہدایت کی راہ پر چلنے کے بجائے اندھی تقلید کو ترجیح دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِمْ مُهْتَدُونَ﴾ (سورۂ زخرف:۲۲) ''ہم نے اپنے آباء

کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہیں کے نقش قدم کی پیروی کرر ہے ہیں"۔

اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت، توحید اور شرک کی تردید تک محدود رکھتے تب بھی وہ قریش کے لئے پریشانی کا سبب بنتے جب کہ انہوں نے تو اس کے علاوہ آخرت پر ایمان کی دعوت بھی دی جسے انہوں نے بالکل اجنبی اور انوکھی چیز سمجھا اور کہنے لگے ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَاباً وَعِظَاماً أَئِنَّا لَمَبْعُوثُونَ﴾ (سورۂ صافات:۱۶) "کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو پھر دوبارہ پیدا ہوں گے"؟ قریش نے فکر آخرت کا مذاق اڑایا اور اسے صاحب دعوت کی کمزور رائے کا نتیجہ قرار دیا، چنانچہ ایک دن ابی بن خلف ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ محمد آپ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ہڈی کو دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ کہہ کر اس نے اس ہڈی کو چور کر کے ہوا میں اڑا دیا جس پر قرآن نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ﴾ (سورۂ یٰسین:۷۸-۷۹) "اس نے ہمارے لئے ایک مثال دی اور اپنی پیدائش بھول گیا اور کہنے لگا کہ بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا، آپ کہئے کہ اسے وہی زندہ کرے گا جس نے اسے پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر پیدائش کو جانتا ہے"۔(۱)

توحید وآخرت کی دعوت جب اہل قریش کے دین وعقل سے ٹکرائی تو انہوں نے داعی کا مذاق اڑایا اور پھر ایذا رسانی اور سرکشی پر اتر آئے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ نئی دعوت ہی نہیں دی بلکہ انہوں نے شراب وزنا، جوا اور سود کی حرمت کا بھی اضافہ کیا جن کے اہل قریش عادی تھے اور انہیں فخر وعیش اور سرمایہ داری کا ذریعہ بنائے ہوئے تھے۔

قریش کا سود تمام قبائل میں پھیلا ہوا تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُسی شے کو حرام کررہے تھے جسے وہ زندگی کا مزہ اور اپنی ثروت کا ذریعہ سمجھ رہے تھے تو وہ لوگ اس بات پر کیسے صبر کرسکتے تھے؟ شراب، زنا اور سود قوم کے دلوں میں کس طرح جاگزیں تھے۔ اس کی میں ایک مثال دیتا ہوں جس سے آپ یہ جانیں گے کہ یہ برائیاں قریش کا ہتھیار تھیں جن سے وہ عربوں کو دعوتِ محمدی سے نفرت دلاتے تھے، مشہور شاعر اعشیٰ قیس اسلام لانے کے ارادے سے مکہ آئے اور اپنے نعتیہ قصیدہ میں یہ اشعار کہے ؎

وآلَیْتُ لا أرْثِی لَهَا مِنْ کَلالَةٍ
وَلَا مِنْ حَفِیً حَتّٰی تُلَاقِیَ مُحَمَّداً
نَبِیٌّ یَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وذِکْرُهٗ
اَغَارَ لَعمری فِیْ الْبِلَادِ وَأنْجَدَا

(میں نے قسم کھائی ہے کہ اونٹنی کی تھکن اور خستگی پر رحم نہیں کھاؤں گا جب تک کہ وہ محمد ﷺ تک نہ پہنچ جائے، وہ ایسے نبی ہیں جو وہ دیکھتے ہیں تم نہیں دیکھتے، اور ان کا ذکرِ خیر ہر بلندی و پستی تک پہنچ گیا ہے) جب وہ مکہ یا اس کے قریب تھا تو کسی قریشی سے ملاقات ہوئی تو وہ اس سے کہنے لگا کہ ابوبصیر! وہ پیغمبر زنا سے منع کرتے ہیں، اس پر اعشیٰ نے کہا کہ اس چیز کی تو اب مجھے خواہش بھی نہیں ہے اس پر قریشی نے کہا کہ وہ شراب کو بھی حرام کہتے ہیں یہ سن کر اعشیٰ کہنے لگا کہ اس چیز کی تو میرے نفس کو طلب رہتی ہے اِس لئے میں اس سال اس سے سیراب ہوں گا پھر اُن کے پاس آکر مسلمان ہوجاؤں گا چنانچہ وہ واپس ہوگیا اور اُسی سال انتقال کرگیا۔ (۲)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف توحید وآخرت اوران کی بعض مرغوب اشیاء کی حرمت کی دعوت ہی نہیں دی بلکہ ان کے لئے ایک عجیب وغریب شے یعنی مساوات کی دعوت بھی دی جب کہ ان کی زندگیاں حسب ونسب پر فخر کرتے گذری تھیں، محمد ﷺ اُنہیں آقاؤں اور غلاموں میں مساوات کی دعوت دے رہے تھے اور لوگوں کو کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر کررہے تھے، یہ ایسا گناہ تھا جس کے قریش کبھی قائل نہیں ہوسکتے تھے، قریش نے مساوات کا انکار کرکے اپنے دین میں بھی تحریف کرلی تھی، اور عام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہرنے اور وہاں سے لوگوں کے ساتھ جانے سے انکار کردیا تھا، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کی روایتوں اور حج کے فرائض میں سے ہے، قریش نے عربوں پر یہ پابندی لگارکھی تھی کہ وہ اپنے بدوی لباس میں طواف نہ کریں چنانچہ وہ ننگے طواف کرتے تھے، قریش جنہوں نے اپنے لئے مختلف امتیازات مخصوص کرلئے تھے وہ محمد ﷺ کی کامل مساوات سے کیسے راضی ہوجاتے اورانہیں اپنے قبیلے سے یہ کیسے کہنے دیتے کہ اے بنی ہاشم! ایسا نہیں کہ لوگ میرے پاس اپنے اعمال کے ساتھ آئیں اورتم اپنے انساب کے ساتھ آؤ۔

تعجب کی بات تو یہ تھی کہ محمد ﷺ نے قریش کی ریاست سے تعلق اور خود ممتاز ہونے کے باوجود، زمانۂ جاہلیت میں بھی ان امتیازات سے انکار کردیا تھا اور رسول ہونے سے پہلے ہی اپنے کو عام لوگوں کے برابر کردیا تھا، قریش اس دعوتِ مساوات کو برداشت نہ کرسکے، اور غلاموں کو پکڑنے لگے اوراُن کمزورلوگوں کو ستانے لگے جنہوں نے محمد ﷺ کی بات میں انصاف محسوس کیا تھا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ان کے بتوں کی تردید کی اورانہیں بعث بعد الموت اورحساب سے ڈرایا اور ان کا جاہ وجلال ختم کردیا، سود اوران کی شہوتوں کوحرام کردیا، اورانہیں اور غلاموں

اور کمزوروں کو برابر کردیا، بلکہ مالداروں کے مال میں غلاموں، فقیروں اور مسافروں کا حق بھی مانگنے لگے جواُن سے حکماً لیا جانے لگا اوران پر ٹیکس بھی عائد کیا گیا اور یہ زکوٰۃ یا ٹیکس ان پر بہت بھاری تھا، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ سب سے پہلے اس کے منکر ہوئے اور مرتد ہو گئے۔(۳)

اِس اجمال سے آپ کے سامنے اُس معاشرے کی تصویر آ گئی ہوگی جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید اور قوم کے لئے ناپسندیدہ سیاسی ومعاشرتی نظام کی دعوت دی قرآن نے اِس طرح اُن کی نفسیات کا بیان کیا ہے کہ ﴿وَقَالُوْا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا (سورۂ قصص:۵۷)(وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کی ہدایت کی اتباع کریں گے تو اپنی زمین سے اغوا کر لئے جائیں گے) اگر ان سب باتوں کو آپ سامنے رکھیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس جدوجہد کے لئے کیسی شجاعت وصبر کی ضرورت تھی، شجاعت وصبر ہی انسانیت کے ستون ہیں جو اُسے زمین پر پہاڑوں کی طرح قائم رکھتے ہیں۔ رہنماؤں اور شہیدوں نے شجاعت کی جو مثالیں قائم کی ہیں وہ تاریخ میں روشنی اور ہدایت کا کام کرتی ہیں، معلمِ ابطال ومشاہیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کا اُن کی زندگی بھر امتحان ہوتا رہا مگر اس میں کمزوری نہیں آئی یہ شجاعت بچپن سے آپ ﷺ کے ساتھ تھی اور آپ ﷺ جاہلیت واسلام دونوں میں اس سلسلے میں آگے رہے، آپ ﷺ کے بچپن میں ایک بار لات وعزیٰ کی قسم دلائی گئی تو آپ نے مخاطب کو ڈانٹ دیا کہ ''اِن دونوں کے ذریعہ مجھ سے کبھی سوال نہ کرنا کہ وہ واللہ مجھے سب سے زیادہ ناپسند ہیں''۔(۴)

آپ ﷺ اپنے بچپن میں بڑی جرأت کے ساتھ اُن کے معبودوں کی تردید کرتے تھے اور ذرا بھی نہیں ڈرتے تھے، حتیٰ کہ آپ ﷺ کی شرم وحیا مشہور تھی۔

اور اس کے لئے کہا گیا تھا کہ آپ ﷺ پردہ والی کنواریوں سے بھی زیادہ شرمیلے ہیں۔(۵) آپ ﷺ ایک بار اپنے دو چچاؤں کے ساتھ یمن کے لئے نکلے اُس وقت آپ ﷺ سترہ سال کے تھے ان لوگوں نے وادی میں ایک سرکش اونٹ کو دیکھا تو آپ ﷺ نے اس کو سِدھا دیا۔(٦)

حرب فجار میں آپ ﷺ بیس سال سے بھی کم کے تھے مگر اپنے چچاؤں کے ساتھ تیر اندازی کر رہے تھے (۷) اسی طرح ایک بار قافلہ کے سامنے پانی سے بھری ہوئی ایک وادی آگئی اور لوگ خوف زدہ ہونے لگے تو آپ ﷺ آگے بڑھے اور لوگوں سے کہا کہ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔(۸)

یہ بچپن کی جرأت وہمت کی کچھ مثالیں تھیں لیکن ان کے علاوہ مثالیں اُس رسالت کے بعد کی ہیں جن کی عظمت کے آگے مشاہیرِ عالم سرنگوں ہو جاتے ہیں۔

دعوت کے اظہار کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں خاص حکم دیا کہ ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (سورۂ حجر:۹۴)(جس کا آپ کو حکم ہے اس کا اظہار کیجئے اور مشرکین سے منھ پھیر لیجئے۔) حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ جب جنگ تیز ہو جاتی اور آنکھیں سرخ ہو جاتیں تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کی فکر کرتے کیونکہ اُن سے زیادہ دشمن سے قریب کوئی نہیں ہوتا تھا۔(۹)

ہم یہاں دو واقعات کا ذکر کریں گے جو ہمارے نزدیک کسی سپاہی کی شجاعت کا اعلیٰ نمونہ ہیں، ایک رات اہل مدینہ ایک آواز سن کر گھبرا گئے اور کچھ لوگ اُس آواز کی طرف چلے تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوتے ہوئے ملے جو اُن سے پہلے اُس آواز کی طرف جا چکے تھے، گھوڑے پر سوار اور گردن میں تلوار لٹکائے ہوئے تھے اور خبر کی تحقیق کے بعد آپ ﷺ نے اُن سے کہا کہ تم لوگ ڈرو

نہیں (۱۰) جنگ حنین میں آپ ﷺ اپنے خچر پر سوار تھے اور للکار رہے تھے، جب کہ دوسرے لوگ بھاگ رہے تھے اُس وقت آپ کی زبان پر یہ رجز تھا ؎

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ ☆ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

(میں نبی ہوں اور یہ جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں)

لوگوں کا بیان ہے کہ اُس دن آپ ﷺ سے زیادہ ثابت قدم اور دشمن سے زیادہ قریب کوئی نہ تھا (۱۱) میں نے ایک طویل تاریخ سے اِن دو واقعات کا ذکر کیا، ایک سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کے حرکت میں آنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطرے کی جگہ پہنچ گئے اور دوسری مثال سے یہ معلوم ہوا کہ لوگوں کے فرار ہونے کے بعد بھی آپ ﷺ خطرے کی جگہ پر ثابت قدم رہے، جنگ سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ شجاعت کا امتحان اِنہیں دو موقعوں پر ہوتا ہے، کیونکہ نفس پر سب سے شاق گزرنے والی چیز خطرے کا مقابلہ اور خوف و دہشت کے وقت ثابت قدم رہنا ہے۔

اِس طرح کی شجاعت جس میں اور بھی مشاہیرِ عالم ممتاز رہے ہیں اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بڑا حصہ ملا تھا، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اُن کی مخصوص شجاعت وہ تھی جب آپ ﷺ نے اپنی قوم کو اُن کی ناپسندیدہ دعوت دی، اُن کی شجاعت وہ تھی جب وہ قوم کی ایذاء واستہزا پر صبر کر رہے تھے، اُن کی شجاعت کا ظہور اُس وقت ہوا جب قریش نے چچا ابوطالب اور اُن کے ہاشمی متبعین کے رسول اللہ ﷺ کی حمایت کے سبب ان کے مقاطعے کا معاہدہ کعبہ پر لٹکا دیا اور وہ ۳ سال سختیاں جھیلتے رہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر نماز پڑھتے رہے اور علانیہ قرآن کی تلاوت کرتے رہے، (۱۲) اُن کی شجاعت وہ بھی تھی جب انہوں نے اپنے ساتھیوں کو موت واذیت سے بچانے کے لئے حبشہ بھیج دیا اور تنہا اس کا مقابلہ

کرتے رہے، آپ ﷺ کی شجاعت اُس وقت بھی ظاہر ہوئی جب آپ ﷺ کے چچا ابوطالب اور بیوی حضرت خدیجہؓ کی وفات چند دنوں کے فرق سے ہوگئی جو آپ ﷺ کے مددگار وغمخوار تھے، پھر مکہ میں آپ ﷺ پر حادثات اِس طرح گزرتے رہے جیسے طوفان کسی پہاڑ کی چوٹی سے گزرتے ہیں، آپ ﷺ کی ثابت قدمی اُس وقت بھی ثابت ہوئی جب آپ ﷺ نے تنِ تنہا قبائل کو دعوت دی اور اُن کے قول وفعل کی سختی برداشت کی۔

اور جب آپ ﷺ کے سارے ساتھی یثرب کو ہجرت کر گئے تب بھی آپ ﷺ بیت اللہ میں علانیہ نماز وتلاوت میں مشغول رہے، یہ ایسے واقعات ہیں جن کی اگر کماحقہ تصویر کشی کی جائے تو ہر قوم وزمانہ کے ابطال ومشاہیر انہیں شجاعت کی مثال بنالیں اور آپ ﷺ کالے اور گورے مُوحد ومشرک سبھی کے لئے پسندیدہ ٹھہریں۔

وہ طبعی واخلاقی شجاعت جو تمسخر سے کمزور نہ ہو اور کسی وعد و وعید سے متاثر نہ ہو اُس نے خُلُقِ محمدی کو سہارا دیا اور وہ تاریخ انسانی میں بے نظیر ثابت ہوئی، آپ ذرا غور کریں کہ قریش نے اُن پر تمسخر واستہزا کے ہتھیار سے حملہ کیا جو لوگوں کی ہمت وعزیمت کے لئے سب سے مہلک ہتھیار ہوتا ہے۔

آپ ﷺ نے کوہِ صفا سے جب قریش کو آواز دی اور انہوں نے عذاب الٰہی کی وعید سنی تو وہ سب آپ ﷺ کو چھوڑ کر واپس ہوگئے، اور ابولہب بول پڑا کہ (معاذ اللہ) خدا غارت کرے کیا ہمیں اسی لئے بلایا تھا؟ (۱۳) وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ (سورۂ حٰمٓ سجدہ:۲۶) (یہ قرآن مت سنو اور اس میں لغو باتیں ملا دو تاکہ تم غالب رہو۔)

وہ جانتے تھے کہ استہزا کا ہتھیار ظلم وجور سے بھی زیادہ کارگر ہوتا ہے، اس لئے وہ اس سے برابر کام لیتے رہے، چنانچہ جب قرآن مجید نے انہیں ڈرانے کے لئے شجرِ زقوم کا ذکر کیا تو ان کی سرکشی اور بڑھ گئی، اور ان میں سے ایک مذاق کرتے ہوئے بولا کہ اے اہل قریش! تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ جس زقوم سے تمہیں ڈراتے ہیں وہ یثرب کی عجوہ کھجور ہے جو بالائی میں تر ہو، واللہ وہ ہمیں اگر ملے تو ہم اسے مزے لے لے کر کھائیں۔(۱۴)

اور جب قرآن نے جہنم اور اُس کے اُنّیس پہرے داروں کا ذکر کیا تو ابوجہل نے رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑاتے ہوئے قریش سے کہا کہ محمد ﷺ کہتے ہیں کہ جہنم کے فرشتے جو تمہیں عذاب دیں گے، وہ اُنّیس ہیں۔ مگر تم تو اُن سے کہیں زیادہ ہو تو کیا تمہارے سو آدمی جہنم کے ایک آدمی سے عاجز ہو جائیں گے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿وَمَا جَعَلْنَا اَصْحَابَ النَّارِ اِلَّا مَلَائِکَةً وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ (سورۂ مدثر:۳۱) (ہم نے جہنم کے پہرہ دار ملائکہ بنائے ہیں اور ہم نے ان کی تعداد کو کافروں کے لئے فتنہ بنایا ہے)(۱۵) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس میں بیٹھتے تو اُن کے پیچھے نضر بن حارث بھی بیٹھ جاتا تھا (جو حیرہ سے ایرانیوں اور رستم واسفندیار کے قصے سن کر آیا تھا) اور قریش سے کہنے لگتا تھا کہ واللہ میرے پاس محمد ﷺ سے زیادہ دلچسپ قصے ہیں تم اُنہیں مجھ سے سنو میں تمہیں اُن کے ساتھ قرآن کا بدل بھی پیش کروں گا، پھر وہ اُنہیں رستم واسفندیار اور شاہانِ فارس کے قصے سناتا تھا(۱۶)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیروؤں سے مذاق کی ایک اور تصویر ملاحظہ ہو، حضرت خبّاب بن الارت ؓ کمزور صحابہ میں تھے اور تلواریں بناتے تھے، وہ مکہ کے ایک بڑے آدمی عاص بن وائل سے اپنا محنتانہ مانگنے گئے تو وہ

اُن سے کہنے لگا کہ خبّاب! ''تمہارے ساتھی محمد ﷺ یہ کہتے ہیں نا کہ جنت میں اہل جنت جو چاہیں گے ملے گا تو خبابؓ نے اس کی تصدیق کی اس پر وہ کہنے لگا کہ تب قیامت کا انتظار کرو، جب میں وہاں آؤں گا تو تمہارا حق دے دوں گا کیونکہ واللہ تم اور تمہارے ساتھی اللہ کے یہاں مجھ سے زیادہ عزیز ونصیبہ ور نہ ہوں گے''۔(۱۷)

ولید بن مغیرہ مکہ کا اور ابوعروہ بن مسعود ثقفی طائف کا سردار تھا، وہ دونوں قرآن کا مذاق کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ﴿لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ (سورۂ زخرف:۳۱) ''یہ قرآن اِن دونوں قریوں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل ہوا) (۱۸) یہ کہہ کر وہ شانِ محمدی گھٹانے کی کوشش کرتے تھے۔دعوت سے اِس مذاق نے اُن میں غفلت پیدا کی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر وثبات میں اضافہ کیا، اِس تمسخر وایذا پر صدیاں گزر گئیں مگر شجاعتِ نبویہ کی اُس پر برتری برقرار ہے اور دشمنوں پر اب بھی رعب طاری کر دیتی ہے۔

جب ہنسی مذاق اور ایذا رسانی کے سارے اسلحے ذاتِ گرامی کے آگے بیکار ہو گئے تو مشرکین نے قتل کی سازش کی جس کے بعد آپ ﷺ نے پوشیدہ طور سے ہجرت کی۔اور غارِ ثور میں اپنے رفیق ابوبکر صدیقؓ کو تسلی دی کہ ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (سورۂ توبہ:۴۰) (گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے) (۱۹) ہجرت کے بعد کشمکش کا دور شروع ہوا جس میں اسلحہ کا استعمال بھی ہوا اور ذاتِ نبوی کے قائدانہ وشجاعانہ پہلو کا بھی ظہور ہوا، اور اُن کے صبر ورضا کے ساتھ اُن کا غیظ وغضب بھی ظاہر ہوا ان کے مقابلے میں مشاہیر عالم کے قصے پرانے ہو گئے، مگر آپ ﷺ کی زندگی ایک کھلی کتاب ہے جس میں آپ صبر وشجاعت کی آیات پڑھ سکتے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعلیٰ مثال نظر آتے ہیں۔

## مراجع ومصادر


(۱) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/۳۶۲-۳۶۱

(۲) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/۳۸۸-۳۸۶

(۳) البدایہ والنہایہ ج:۳ص/۳۰۸

(۴) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/۱۸۲

(۵) صحیح بخاری، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج:۱ص/۵۰۳

(۶) سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ج:۲ص/۱۳۹

(۷) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/۱۸۶

(۸) سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ج:۲ص/۱۳۹

(۹) سیر اعلام النبلاء ج:۲ص/۳۹۲

(۱۰) صحیح بخاری باب حسن الخلق الخ ج:۲ص/۸۹۱

(۱۱) صحیح بخاری باب قول اللہ تعالیٰ ویوم حنین الخ ج:۲ص/۶۱۷

(۱۲) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/۳۵۴-۳۵۰

(۱۳) صحیح بخاری کتاب التفسیر ج:۲ص/۳۴۷

(۱۴) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/۳۶۲

(۱۵) تفسیر ابن کثیر ج:۷ص/۱۶۰

(۱۶) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/۳۰۰

(۱۷) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/۳۵۷

(۱۸) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/۳۶۱

(۱۹) صحیح بخاری باب مناقب المہاجرین الخ ج:۱ص/۵۱۶-۵۱۵

۳

# ایفائے عہد

یہاں ہم بطل الابطال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ وفاداری اور ایفاء عہد سے بحث کریں گے، وفا وایفاءِ عہد مکارمِ اخلاق کی بنیاد ہے جس سے زندگی کا نظام قائم رہتا ہے وہ مروّت وانسانیت کی میزان اور افراد واقوام کی فضیلت کا وہ معیار ومقیاس ہے کہ اگر لوگ اس کی پابندی کریں تو سعادت سے ہم کنار رہیں۔

وفاداری، وفادار شخص کے دل میں ایسی خوشی پیدا کرتی ہے جس کی کوئی حد نہیں ہوتی اور جس سے وفا کی جائے اس کے دل میں بھی احسان ومروّت اور نیکی کے جذبات پیدا کرتی ہے اور وفادار قوموں سے دوستی اور معاہدے کئے جاتے ہیں اور اُنہیں نبھایا جاتا ہے۔

آج کی پریشان دنیا جس میں ہم رہ رہے ہیں اس کی پریشانی کا سبب یہی عدم وفاداری ہے، جب حلیف کو دوسرے حلیف کے وعدے کا اعتبار نہ ہو تو دوسرے کو بھی کیسے اعتبار آئے گا اور دوسرے کو بدگمانی اور خوف سے کیسے بچائے گا۔

اگر عہد ومیثاق کو وہ حرمت واہمیت دی جاتی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا تھی تو دنیا مکر وفریب، بدعہدی وبدمعاملگی کی اس پستی میں نہ ہوتی، اسی طرح اگر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اپناتے اور دوسرے لوگ ان کی پیروی کرتے

تو بین الاقوامی تعلقات مضبوط بنیادوں پر قائم ہوتے جو امن وانصاف اور احترامِ انسانیت کی ضمانت ہوتے ہم آپ کے سامنے کچھ مثالیں پیش کریں گے تا کہ آپ وفاداری کی کچھ نادر تصویریں دیکھ سکیں۔

صلحِ حدیبیہ سے ایک سال پہلے قریش نے مدینہ کا محاصرہ کرلیا تھا اور پاس پڑوس کے اَعراب اور باشندوں کو جمع کرر کھا تھا، اسی اثناء میں بنوقریظہ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنا معاہدہ توڑ دیا جس سے بڑی دشواری پیدا ہوگئی اور مسلمان سخت آزمائش میں پڑ گئے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی مدد کی اور اس کی فوج کو غالب کیا اور مشرکین کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور تھوڑے ہی عرصے میں اسلامی لشکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مکہ کی طرف بڑھ رہا تھا، جہاں وہ حدیبیہ میں اترا تو قریش نے ان کے پاس اپنے نمائندے بھیجے، قریش کے نمائندہ عروہ بن مسعود الثقفی نے وہاں سے لوٹ کر محمد ﷺ اور اصحابِ محمد ﷺ کا یہ حال بیان کیا کہ ''میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے ملکوں میں گیا ہوں مگر واللہ! میں نے کسی بادشاہ کو اپنے ملک میں اتنا محبوب ومقبول نہیں دیکھا جتنا کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کے درمیان میں دکھائی دئے''۔(۱)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت قوت واقتدار کے مالک تھے مگر آپ ﷺ نے اعلان کیا کہ وہ جنگ نہیں چاہتے ہیں بلکہ اگر قریش مجھ سے صلہ رحمی کا معاہدہ چاہتے ہیں تو میں ان کی خواہش پوری کروں گا۔

چنانچہ سہیل بن عمرو عقدِ صلح کے لئے قریش کی طرف سے آئے جس کے بموجب رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب کو مکہ سے واپس جانا تھا، اس معاہدہ میں ایک شرط زیادتی پر مبنی تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ سے جو مسلمان

جائے گا تو وہ اسے قریش کو بلا اس کے ولی کی اجازت کے سپرد کریں گے، مگر قریش سے اپنے کسی آدمی کی واپسی کا مطالبہ نہیں کریں گے۔

اِس نامناسب شرط نے اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ہیجان میں مبتلا کر دیا حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کبھی حضرت ابوبکرؓ کے پاس جاتے اور کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر یہ شکایت کرتے کیا ہم مسلمان اور وہ مشرک نہیں ہیں؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ کے رسول نہیں ہیں تو پھر ہم کیوں اپنے دین میں کمزوری دکھا رہے ہیں؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں، میں ہرگز اس کی حکم عدولی نہیں کروں گا۔ اور وہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا، ابوبکرؓ کہتے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، مسلمانوں کو یہ شرط ماننا ایسی چیز کا ماننا تھا جس کی وجہ اُن کو معلوم نہیں تھی اسی لئے یہ ان کے صبر کا بڑا امتحان تھا، مسلمان اِسی بے چینی میں مبتلا تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریشی نمائندے سہیل بن عمرو سے معاہدے سے فارغ ہی ہوئے تھے جو ابھی لکھا بھی نہیں گیا تھا کہ اسی اثناء میں ابوجندلؓ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے اور فریاد کرتے ہوئے آئے۔

یہ ابوجندلؓ سہیل بن عمرو کے لڑکے تھے جو مشرکین سے بھاگ کر مسلمانوں کے پاس آئے تھے، سہیل نے جب اپنے لڑکے کو دیکھا تو اُٹھ کر ان کا گریبان پکڑ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا کہ ہم اس کے آنے سے پہلے اس معاہدہ سے فارغ ہو چکے تھے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سچ کہتے ہو اس پر ابوجندلؓ فریاد کرنے لگے کہ اے مسلمانو! کیا مجھے مشرکوں کے پاس بھیج دیا جائے گا کہ وہ میرے دین کی وجہ سے مجھ پر ظلم ڈھائیں؟ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نظیر شجاعت کا تصور کریں جس کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ اور وہ اُس

وقت طاقتور پوزیشن میں بھی تھے کہ اپنی فوج لے کر آئے تھے اور آپ عروہ بن مسعود سے فوج کی جاں نثاری کی کیفیت بھی سن چکے ہیں، آپ ذرا خیال کریں کہ وہ اپنے قریبی ساتھی کو بغاوت کے قریب دیکھ رہے تھے، پھر قریش کے معزز قیدی کو دیکھئے جو بیڑیوں میں جکڑا ہوا سامنے کھڑا تھا، اور محمد ﷺ و دین محمد ﷺ کی وجہ سے مبتلائے مصیبت تھا، پھر آپ ﷺ کو دیکھئے کہ معاہدہ اگر چہ لکھا نہیں گیا تھا لیکن آپ ﷺ نے بلاتردد و بلا حیلہ کے سہیل کی تصدیق کی اور اپنے ساتھی کو روتے ہوئے اپنے دشمنوں کو لوٹا دیا (۲) آپ اس سب کا ذرا تصور کیجئے اور اگر ممکن ہو تو تاریخ بشری سے اس کی کوئی مثال پیش کیجئے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غیر مکتوبہ معاہدہ کی پابندی کر کے پیش کی، بیشک یہ ایفاء عہد کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وفا کے قانون کے ساتھ بھیجا تھا جو معاہدہ کو دین سے بھی اوپر رکھتا تھا، چنانچہ اس میں معاہد مشرک کی دیت لازم ہے مگر غیر معاہد مشرکین سے مسلمان کی دیت لازمی نہیں، اسی طرح معاہدہ والے مشرکین کے خلاف ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی مدد نہیں کرسکتا، قرآن میں ہے کہ ﴿وَاِنِ اسۡتَنۡصَرُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ فَعَلَيۡكُمُ النَّصۡرُ اِلَّا عَلٰى قَوۡمٍ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ﴾ (سورۂ انفال:۷۲) (اگر تم سے مسلمان دین کے معاملے میں مدد چاہیں تو تم ان کی مدد کرو مگر اُس قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو)

عہد و میثاق کی پابندی کی یہ حرمت و تقدیس ابد تک لوگوں کی ہدایت کرتی رہے گی یہ تو آپ ﷺ کے ایفاء عہد کی وہ مثال تھی جو معاہد مشرکین کے ساتھ تھی اب ایک دشمن سے وفاداری کی مثال دیکھئے جو آپ ﷺ سے جنگ کرتے ہوئے مارا گیا تھا۔

مطعم بن عدی اشرافِ قریش میں تھے، جب رسول اللہ ﷺ طائف میں بنوثقیف سے اذیت اٹھا کر مکہ واپس ہوئے تو آپ ﷺ نے مکہ کے بعض سرداروں کی حمایت چاہی تا کہ آپ ﷺ وہاں اطمینان سے رہ سکیں، مگران لوگوں نے انکار کردیا مگر مطعم نے آپ کو اپنی حمایت میں لے لیا اس کے بعد بدر میں جب قریش کو شکست ہوئی اور اس کے کئی سردار مارے گئے تو ان میں ایک مطعم بن عدی بھی تھے جن کے بارے میں شاعرِ رسول حسان بن ثابتؓ نے یہ مرثیہ کہا ؎

أیَا عینُ فَابْکِیْ سَیِّدَ الْقَوْمِ وَاسفَحِی
بِدَمعٍ، وإنْ انْزَفْتِهِ فَاسْکُبِی الدَّمَا

(اے میری آنکھ قوم کے سردار کو رو اور آنسو بہا اور آنسو ختم ہو چکے ہوں تو خون کے آنسو بہا)

وَبَکّی عَظِیْمَ الْمَشْعَرَیْنِ کِلَیْهِمَا
عَلیٰ النَّاسِ مَعْرُوفٌ لَهُ مَا تَکَلَّمَا

(اور مَشعرین[1] کے عظیم انسان کا ماتم کر جس کے لوگوں پر زندگی بھر کے احسانات ہیں)

فَلَوْ کَانَ مَجْدٌ یُخْلِدُ الدَّهرَ وَاحِداً
مِنَ النَّاسِ اَبْقیٰ مَجْدُهُ الیَوْمَ مُطْعِما

(اگر کسی کی عظمت اُسے ہمیشہ باقی رکھتی تو آج مطعم کی عظمت اُسے ضرور باقی رکھتی)

أجَرْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْهُمْ فَاَصْبَحُوْا
عَبِیْدَكَ مَا لَبّٰی مُهِلٌّ وَاَحْرَمَا

(تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن سے پناہ دی تو مسلمان تمہارے غلام ہوگئے جب تک کہ کوئی کلمہ پڑھنے والا اور احرام والا رہے گا)

---

[1] مَشْعَرَیْن سے مراد مقاماتِ حج ہیں، جیسے مزدلفہ، صفا اور مروہ وغیرہ

فَلَوْ سُئِلَتْ عَنْهُ مَعَدٌّ بِأَسْرِهَا
وَقَحْطَانُ أَوْ بَاقِي بَقِيَّةِ جُرْهُمَا

(اگراس کے بارے میں سارے معد وقحطان اور باقی رہنے والے جرہم سے پوچھا جائے)

لَقَالُوا هُوَ الْمُوفِي بِجِيْرَةِ جَارِهِ
وَذِمَّتِهِ يَوْماً إِذَا مَا تَذَمَّمَا

(تو وہ کہیں گے کہ وہ اپنے پڑوسی اور اپنی ذمہ داری کا حق ادا کرتا تھا جب وہ کسی کا ذمہ لیتا تھا)

فَمَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ الْمُنِيْرَةُ فَوْقَهُمْ
عَلَىٰ مِثْلِهِ فِيهِمْ أَعَزَّ وَأَعْظَمَا (۳)

(اب آفتاب تاباں اُن میں اُس کی طرح کے معزز و عظیم شخص پر کبھی طلوع نہ ہوگا)

حضرت حسانؓ نے یہ مرثیہ ایک مشرک کے لئے کہا جو محمد ﷺ اور ان کے اصحاب سے لڑتا ہوا مارا گیا اور اس مرثیے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سنتے تھے اور مسلمانوں کو اسے پڑھتے دیکھ کر خوش ہوتے تھے، کیا آپ نے ایسی وفاپسندی اور کشادہ قلبی دیکھی ہے؟ آپ نے ایسا بطل الابطال دیکھا ہے جو مردانگی اور انسانیت کی اس بلندی پر پہنچ کر جنگ میں اپنے مقابل مرنے والے دشمن کی موت پر روئے؟ بیشک اِس وفا کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

مشرکین سے آپ ﷺ کے ایفاء عہد کی ایک اور مثال دیکھئے، صلح حدیبیہ کی شرطوں میں یہ بھی تھا کہ جو چاہے محمد ﷺ کے عہد میں شریک ہو اور جو چاہے قریش کے معاہدے میں شریک ہو تو بنوخزاعہ اپنے شرک کے باوجود معاہدۂ محمدی میں شریک ہو گئے پھر جب قریش نے آپ ﷺ سے بدعہدی کی اور اپنے حلیف بکر

کی حمایت کی تو عمرو بن سالم الخزاعی نے اپنے حلیفوں سے مدد طلب کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر جو مسجد میں تشریف فرما تھے، یہ اشعار پڑھے ؎

يَـا رَبِّ إنِّـيْ نَـاشِـدٌ مُـحَـمَّـداً
حِـلْفُ أَبِيْـنَـا وَأَبِيْـهِ الأَتْـلَـدَا
فَـانْـصُـرْ هَـدَاكَ اللّٰـهُ نَـصْـراً أَعْـتَـدَا
وَادْعُ عِبَـادَ الـلّٰـهِ يَـاتُـوْ مَـدَدَا
فِـيْ فَيْـلَـقٍ كَـالْبَـحْـرِ يَـجْـرِيْ مُـزْبِـداً
إِنَّ قُـرَيْـشَـا أَخْـلَـفُـوْكَ الـمَـوْعِـدَا
وَنَـقَـضُـوْا مِيْثَـاقَكَ الـمُـؤَكَّـدَا (۴)

(اے رب میں محمد ﷺ کو اپنے اور ان کے والد کا قدیم حلف یاد دلاتا ہوں تو آپ ﷺ پوری مدد کیجئے اللہ آپ کو توفیق دے اور اللہ کے بندوں کو بلائیں کہ وہ مدد کو آئیں ایسی بڑی فوج میں جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہی ہو، قریش نے آپ ﷺ سے وعدہ خلافی کی ہے اور انہوں نے آپ ﷺ کے مضبوط معاہدہ کو توڑا ہے)

تو مسلمانوں کے حلیف مشرکین سے بدعہدی فتحِ مکہ کا سبب بنی جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلدی سے حملے کی تیاری کی۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایفائے عہد کی کچھ مثالیں تھیں جو انہوں نے اپنے حلیف دشمنوں اور ان کے بعض احسانات کے بدلے میں اختیار کیں، اور دوستوں سے ان کی وفاداری کا تو جتنا ذکر کیا جائے وہ کم ہوگا کیونکہ ان کی زندگی ہی نیکی اور وفاداری کا دوسرا نام تھی۔

عبد اللہ بن ابی الحماء کہتے ہیں کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی شے فروخت کی اور میں نے ان سے وہیں آنے کا وعدہ کیا جو مجھے تین دن بعد یاد آیا تو میں نے انہیں وہیں پایا، انہوں نے مجھے دیکھ کر بس اتنا کہا کہ تم نے مجھے مشقت میں ڈال دیا میں یہاں تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں یہ زمانۂ جاہلیت اور بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے۔(۵)

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ ایک بُڑھیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو اس نے بتایا کہ وہ جثامہ المزنیہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم حسانہ ہو تم کیسی ہو اور کیا حال ہے، تم ہمارے آنے کے بعد کیسی رہیں؟ تو اس نے کہا کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اچھی رہی، اس کے جانے کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ ﷺ نے بُڑھیا پر بڑی توجہ کی، تو آپ ﷺ نے بتایا کہ وہ خدیجہؓ کے زمانے سے ہمارے پاس آتی تھی اور حسنِ سلوک ایمان میں سے ہے۔(٦)

غزوۂ حنین کے بعد (جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت قدم نہ رہتے تو ہوازن اسلام کا خاتمہ کر دیتے) اُس کا ایک وفد اپنے اسیروں کی رہائی کے لئے آیا مگر آپ ﷺ کی شفقت ورحمت کو تحریک دینے کی کوئی وجہ اُن کے پاس نہ تھی اور اُن کا ماضی بھی بالکل تاریک تھا، البتہ انہوں نے آپ ﷺ کے جذبۂ وفا میں اپنا مدعا پالیا اور ان میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ اسیر عورتوں میں آپ ﷺ کی دائیاں اور دودھ پلانے والیاں بھی ہیں اور اگر ہم نے نعمان بن المنذر یا حارث بن ابی شمر الغسانی کو دودھ پلایا ہوتا اور یہ حادثہ پیش آتا تو ہم اس کے احسان ومہربانی کی امید رکھتے، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اور بنی عبد المطلب کے

قیدی تمہارے ہیں اس پر مہاجرین وانصار نے کہا جو ہمارے قیدی ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں (۷) اس طرح ہوازن کو ہزاروں قیدی دیدے گئے، یہ اُس وفادار شخصیت کا عمل تھا جس نے اپنے دودھ کے بدلے ایک ظالم اور مغلوب قوم کو معاف کر دیا تو کیا احسان فراموش لوگ اس سے کچھ سبق حاصل کریں گے؟

اس واقعے کو سامنے رکھ کر عالمی تاریخ کے زندہ ومردہ قائدین کا جائزہ لینے کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کیجئے اور ان پر درود وسلام بھیجئے۔

آپ ﷺ مدینہ میں جب فتحِ مکہ کی تیاری کررہے تھے تو اُسے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عائشہؓ سے بھی چھپا رہے تھے پھر جب آپ ﷺ نے اپنے عزم کا اعلان کیا تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے ایک عورت کو اجرت دے کر قریش کو ایک خط لکھ دیا، جس نے اسے اپنے بالوں میں چھپالیا اور اس پر اپنی چوٹیاں لٹکا دیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوگیا اور وہ عورت راستے میں پکڑی گئی، حاطبؓ سے جب اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے رسول اللہ کو اپنے ایمان کا یقین دلایا اور کہا کہ میری وہاں کوئی رشتہ داری نہیں البتہ وہاں میرا ایک بچہ اور بیوی ہے جن کے لئے میں نے ان سے یہ سلوک کیا اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن ماردوں کیونکہ یہ منافق ہوگیا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمرؓ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ نے یوم بدر میں اصحاب بدر سے کہا تھا کہ تم جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا پھر اللہ تعالیٰ نے حاطبؓ کے بارے میں یہ آیت نازل کی کہ ﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّی وَعَدُوَّکُمْ أَوْلِیَاءَ تُلْقُونَ إِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ﴾ (سورۂ ممتحنہ:۱) (اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو)

(۸) آپ غور کریں کہ رسول اللہ ﷺ کی اپنے بدری اصحاب سے وفاداری نے انہیں حاطبؓ کے اس فعل کو بھی اللہ کی معافی کا امیدوار بنادیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب مرض الموت کی شدت ہوئی تو آپ ﷺ اپنے اصحاب کے پاس آئے اور منبر پر ارشاد فرمایا کہ ''اے مہاجرو! انصار کے ساتھ بھلائی کرو، لوگ بہت بڑھ گئے مگر انصار اپنی جگہ پر ہیں، وہ میری پناہ گاہ تھے تو ان کے نیکوکاروں سے احسان کرو اور خطاکاروں سے درگزر کرو''۔(۹)

اخیر میں آپ کی طبعی وفاداری کا ایک اور نمونہ دیکھئے، یوم اُحد میں شہداء کے دفن کی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا کہ ''عمرو بن الجموحؓ اور عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ دنیا میں دوست تھے تو اُن کو ایک ہی قبر میں دفن کرو''۔(۱۰)

یہ وفا کے اعلیٰ نمونے ہیں جن کی ہمیں سخت ضرورت ہے اور دنیا تبھی سُدھر سکتی ہے جب لوگوں میں وفاداری کا ذوق پیدا ہو اور وہ اُس پر رسول اللہ ﷺ اور اُن کے اصحاب جیسا ایمان رکھیں۔

## مراجع ومصادر


(۱) صحیح بخاری ج:۱ص/ ۳۷۸-۳۷۹
(۲) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/ ۳۱۸-۳۱۶
(۳) البدایہ والنہایہ ج:۲ص/ ۱۴۹
(۴) البدایہ والنہایہ ج:۲ص/ ۶۷۳-۶۷۲
(۵) الترغیب والترہیب ج:۴ص/ ۹
(۶) شعب الایمان للبیہقی ج:۶ص/ ۵۱۷
(۷) البدایہ والنہایہ ج:۲ص/ ۷۵۳-۷۵۲
(۸) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/ ۳۹۹-۳۹۸
(۹) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/ ۶۵۰
(۱۰) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/ ۹۸

۴

# زُہد وقناعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں کے لئے زُہد وقناعت کی بھی اعلیٰ مثال قائم کی ہے جس سے حاکم ومحکوم افراد اور جماعتیں استفادہ کرسکتی ہیں، دنیا پر نظر ڈالئے تو وہ انسانوں کی حرص وہوس کی شکایت کرتی نظر آئے گی، صورتِ حال یہ ہے کہ نہ کوئی امیر اپنے ہزاروں اور لاکھوں کے سرمائے پر قانع ہے اور نہ کوئی فقیر اپنی روٹی پر، سرمایہ دار بھی سرمایہ کو اپنی خواہشوں پر خرچ کررہے ہیں اور مزدور بھی اپنی خواہشوں کے لئے مال کے خواہش مند ہیں، گویا امیر وفقیر دونوں ہی نفس پرستی میں برابر ہیں اور انہوں نے شہوت رانی اور عیش پسندی کو زندگی کا مقصد بنالیا ہے، آپ معاشرے میں بلکہ پوری دنیا پر نظر ڈالیں گے تو لوگوں کو درہم ودینار کے پیچھے بھاگتے دیکھیں گے، گویا وہ مال کے پجاری بن گئے ہیں اور وہ اُن کے قلب وشعور پر چھا گیا ہے اور اُن کی ہر حرکت وسکون میں شریک ہوگیا ہے، اسی طرح اقوام وممالک بھی اسی کشمکش میں مبتلا نظر آئیں گے جنہوں نے مال ودولت کو اپنا مقصود ومعبود بنا رکھا ہے، آپ قوموں کو یہ کوشش کرتے دیکھیں گے کہ کس طرح وہ دوسروں سے مال ودولت چھین لیں اور افراد میں سے جو مال حاصل کرلیتا ہے تو وہ من مانی اور ہوس رانی کرنے لگتا ہے، عالیشان محلات، باغات، کار اور موٹر اور عیاشی میں پڑ جاتا ہے اور دوسرے اُسے حسد اور رشک سے دیکھنے لگتے ہیں اور اس کے اصل وانجام پر غور نہیں کرتے،

افراد وطبقات اقتصادی کشمکش اور نزاع میں حیوانی سطح تک گر گئے ہیں اور جانوروں کے ریوڑ کی طرح گھاس چارے کے لئے ایک دوسرے پر حملہ کرتے یا کتوں کی طرح غرّاتے اور ہڈیوں کو چھینتے نظر آتے ہیں۔

آج انسان مال اور ہوس پرستی کے لئے اس پستی میں جا گرا ہے جس سے اٹھانے اور اسے صحیح رخ پر ڈالنے کے لئے انبیاء ورسل آتے رہے ہیں تاکہ انسان فانی بدن کی خواہشوں میں اعتدال پیدا کرے اور باقی رہنے والی روح کے مطالب پورے کرے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو لوگ ایسے ہی حالات میں تھے، اموال وانساب کی عزت کرتے تھے اور زہد وتقویٰ کی روحانی لذت سے ناآشنا تھے چنانچہ انہوں نے اپنی ذاتِ گرامی سے زہد وقناعت، دنیا کی حقارت کی ایسی مثال قائم کی جس نے لوگوں میں انقلاب پیدا کر دیا آپ ﷺ نے ایسے عابد وزاہد صحابی تیار کر دئے جنہوں نے روحانی زندگی کو پہلا مقام دیا اور دنیا کو آخرت کا ذریعہ ووسیلہ بنا دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر وغنا، ضعف وقوت ہر حال میں زہد وقناعت کی مثالیں قائم کیں، انہوں نے شِعبِ ابی طالب کی اسیری اور مدینہ کی اسلامی حکومت اور جزیرۃ العرب کی بادشاہت دونوں میں اپنا زاہدانہ رویہ قائم رکھا وہ لوگوں کو بادشاہوں جیسے ہدیے اور تحفے دیتے اور اپنے گھر کے بوریے اور جو کی روٹی پر قناعت کر لیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ﷺ ایک چٹائی پر تشریف فرما ہیں جس کے نشانات آپ ﷺ کے جسم اطہر پر پڑ گئے ہیں، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ ﷺ کے لئے ایک بستر تیار کر دیں جسے آپ ﷺ چٹائی پر بچھا لیا کریں جس

سے آپ ﷺ کا بدن محفوظ رہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''مجھے دنیا سے کیا لینا ہے، میرا اور دنیا کا معاملہ اُس سوار کی طرح ہے جو سائے کے لئے کسی درخت تلے کھڑا ہو جاتا ہے اور پھر اُسے چھوڑ کر رخصت ہو جاتا ہے'' (۱) حضرت قتادہ بن نعمانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے دنیا سے اس طرح بچاتا ہے جیسے تم اپنے بیمار کو پانی سے بچاتے ہو''۔ (۲)

مادّی زندگی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بلند نظریہ تھا جس نے مادّیت کے پردے چاک کر دیئے، پھر جب آپ ﷺ کے ماننے والوں کی کثرت ہوئی اور آپ ﷺ کے دین کو فروغ حاصل ہوا تو انسانی قلوب بطن و معدہ سے اٹھ کر وسیع فضا میں سانس لینے لگے اور انسانیت نے حجابات سے نکل کر انوارِ الٰہیہ کا دیدار کیا، انسانیت کے آفاق وسیع ہو گئے اور ارواحِ عالیہ نے کائنات کو روشن کر دیا اور دنیا نے صدر اسلام کے عہد زرّیں کو دیکھا جس میں ہر طرف زہد وقناعت، عدل و مساوات اور خیر و برکت کی اعلیٰ مثالوں کا مشاہدہ کیا، جہاں حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ پیوند لگے لباسوں میں ہوتے تھے مگر اُن پر قیصر وکسریٰ بھی رشک کرتے تھے، کیا حضرت عمرؓ اپنے پیوند والے لباس میں کسی طرح جابر امراء وسلاطین کے مقابلے میں کم حیثیت تھے؟ نہیں وہ روحانی لذتوں سے فیض یاب تھے جو حیوانیت سے دور اور انسانیت سے قریب ہوتی ہیں، انہیں روحانی ووجدانی کیفیت میسر تھی جو شخصیت کو متأثر کرتی ہے اور بشری وجود کی پسندیدہ شے ہے۔

اِس محمدی مدرسہ اور زہد وقناعت کے اسکول نے قوموں کو ایسے حکمراں دیئے جو صرف ایک درہم یومیہ پر قناعت کر کے خالق ومخلوق کی مرضی کے مطابق ملک پر حکمرانی کرتے تھے۔

ابن ہشام زید بن اسلمؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتاب بن اُسیدؓ کو مکہ کا والی بنایا اور ایک درہم ان کا روزینہ مقرر کیا تو انہوں نے اپنے خطبہ میں کہا کہ "لوگو! اللہ اسے بھوکا رکھے جو ایک درہم میں بھی بھوکا رہے، میرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزانہ ایک درہم مقرر کیا ہے اب مجھے کسی کی ضرورت نہیں" (۳)۔ اس خطبہ میں وہ قانع شخص نظر آتا ہے جو ایک درہم میں زندگی گزار کر مابعد زندگی کی فکر میں مبتلا ہے، اِسی کا نام قناعت ہے جسے صحابۂ کرامؓ نے معلم اکبر صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا۔

خود آنحضور ﷺ کا واقعہ ملاحظہ کیجئے کہ آپ ﷺ ایک بار مسجد سے نکلے تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی آپ ﷺ نے ان سے باہر نکلنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے عرض کیا کہ بھوک نے ہمیں نکلنے پر مجبور کیا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بھی بھوک ہی نے نکالا ہے، پھر تینوں حضرات ابوالہیثمؓ کے یہاں گئے تو انہوں نے جو کی روٹی بنوائی اور ایک بکری ذبح کی اور مٹکے کا پانی فراہم کیا، اِن حضرات نے کھایا پیا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "آج کی نعمتوں کے بارے میں بھی ہم سے سوال ہوگا" (۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم فطری طور پر اپنی اولاد سے بہت محبت رکھتے تھے حضرت فاطمہؓ جب آپ ﷺ کے پاس آتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہو کر انہیں بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے (۵) مگر اس کے باوجود وہ فقیرانہ زندگی گزارتی تھیں، چکی کی مشقت اٹھاتی تھیں اور پانی بھرنے میں کبھی آپ کے ہاتھ بھی زخمی ہو جاتے تھے اس کی وجہ سے ایک بار انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خادم کی درخواست کی جسے انہوں نے قبول نہیں کیا ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا "تم لوگ اِن چیزوں کی کیسے خواہش

کرتے ہو جب کہ اہل صفہ فقر و فاقہ سے دوچار ہیں"۔(٦)

ایک بار آپ ﷺ حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے تو ان کے ہاتھ میں سونے کی چین دیکھی اور وہ اس کے بارے میں ایک عورت کو بتا رہی تھیں کہ یہ حضرت علیؓ نے انہیں ہدیہ کیا ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "فاطمہ! کیا تمہیں لوگوں کا یہ کہنا اچھا لگے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے؟ یہ کہہ کر آپ ﷺ بغیر بیٹھے ہوئے وہاں سے واپس آ گئے، حضرت فاطمہؓ نے اُس چین کو بکوا کر اُس سے ایک غلام خریدا اور اُسے آزاد کر دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے فاطمہ کو آگ سے نجات دی"۔(۷)

بطلِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں، اپنے ساتھیوں اور تمام لوگوں کو اِسی زہد و تقویٰ کی تعلیم دی ہے اور حضرت فاطمہؓ کو بھی سونے کی چین بیچ کر اور غلام آزاد کر کے وجدانی لذت اور قلبی اطمینان اور اُس سعادت مندی کا اثر محسوس ہوا ہو گا کہ وہ سونے کی زنجیر پہن کر عورتوں پر فخر کرنے سے بہتر ہے۔

بخاری میں روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے عروہؓ سے کہا کہ بھانجے تمہیں معلوم ہے کہ ہم دو مہینوں میں تین چاند دیکھ لیتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں چولہا نہیں جلتا تھا، حضرت عروہؓ کہتے ہیں اس پر میں نے عرض کیا کہ خالہ جان! پھر آپ لوگوں کا گزر کیسے ہوتا تھا؟ حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ دو سیاہ چیزوں یعنی کھجور اور پانی پر۔ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصاری پڑوسیوں کے پاس کچھ بکریاں تھیں جن کا دودھ وہ کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کرتے تھے تو آپ ﷺ ہمیں پلاتے تھے۔(۸) ایک بار آپ ﷺ کو نماز میں یاد آیا کہ گھر

میں کچھ چاندی رکھی رہ گئی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے نماز میں تخفیف کی اور جلدی سے اس چاندی کو فقراء کو دیدیا کیونکہ آپ ﷺ کو اپنے گھر میں ایک رات بھی سونا چاندی رکھنا گوارا نہ تھا۔

حضرت عقبہ بن الحارثؓ کہتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی اور جلدی سے لوگوں کے درمیان سے نکل کر گھر میں داخل ہوئے اور نکل آئے اور فرمایا کہ میرے پاس کچھ چاندی تھی جو یاد آئی تو اس کی فکر سے بچنے کے لئے میں نے اسے تقسیم کر دیا،(۹) ایک طرف تو آپ ﷺ لوگوں کو چاندی عطا فرماتے تھے اور دوسری طرف حضرت عائشہؓ ان کا حال بیان فرماتی ہیں کہ ''آلِ محمد ﷺ نے آپ ﷺ کی زندگی میں برابر تین دن تک گیہوں کی روٹی نہیں کھائی (۱۰) اور آلِ محمد ﷺ کے دو کھانوں میں ایک کھجور بھی ہوتی تھی''۔(۱۱)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں اللہ سے اتنا ڈرا جتنا کوئی نہیں ڈرا ہوگا اور اللہ کے راستے میں اتنا ستایا گیا کہ کوئی اور نہ ستایا گیا ہوگا۔ اور مجھ پر تیس شب وروز ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلالؓ کے کھانے کے لئے بس اتنی کوئی چیز ہوتی تھی جو بلالؓ کی بغل میں آجائے''۔(۱۲)

زُہد وقناعت کے بارے میں آپ ﷺ کے اقوال آپ کی نظر سے گزرے اور آپ ﷺ کے اعمال بھی ان کے مطابق تھے۔ آپ ﷺ کی ہر بات آپ ﷺ کے مزاج کی تفسیر اور آپ ﷺ کے فطری اخلاق کی تصویر وتعبیر ہوتی تھی جو لوگ آپ ﷺ کی سیرتِ کریمہ کا گہرا مطالعہ کریں گے تو آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کے قول وفعل میں پوری مطابقت نظر آئے گی۔ اور معلوم ہوگا کہ فقر

سے زیادہ آپ ﷺ ثروت و دولت سے ڈرتے تھے اور خزانے کو ناپسند کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ انہوں نے کبھی اپنے گھر میں تین دینار سے زیادہ نہیں رکھا کہ اس میں کوئی اور دینار ملایا ہو الّا یہ کہ وہ ادائے قرض کے مقصد سے ہو، آپ ﷺ یہ دعا مانگتے تھے کہ ''اے اللہ آلِ محمد ﷺ کا رزق بقدر کفاف کردے'' یعنی جو ضرورت سے زیادہ نہ ہو۔ (۱۳)

حضرت ابوامامہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دنیا کا ذکر کرنے لگے تو آپ ﷺ نے دوبار فرمایا کیا تم سنتے نہیں کیا تم سنتے نہیں کہ لباس میں تواضع اور ترکِ زینت ایمان کا حصہ ہے، (۱۴) حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ایک بار ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ مصعب بن عمیرؓ فرو کی پیوند لگی صرف ایک چادر اوڑھے ہوئے آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر اوران کی گزشتہ خوشحالی یاد کر کے رو پڑے اور فرمایا کہ ''اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم میں سے بعض لوگ ایک جوڑا صبح کو پہنیں گے اور دوسرا شام کو اوران کے سامنے ایک سینی رکھی جائے گی اور دوسری اٹھائی جائے گی اور تم اپنے گھروں پر کعبہ کی طرح پردے لٹکاؤ گے۔

لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آج سے تو ہم اُس وقت بہتر ہوں گے کہ خرچ سے بےفکر ہوں گے اور عبادت کے لئے فارغ ہوں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ تم اُس سے آج بہتر ہو'' (۱۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو فقراء کی صحبت میں رہنے کی تلقین فرماتے تھے تاکہ ان کی توجہ زیب وزینت سے ہٹی رہے۔

حضرت عون بن عبداللہ بن عتبہؓ کہتے ہیں کہ میں امیر لوگوں کے ساتھ رہتا تھا

تو سب سے زیادہ غمگین میں ہی رہتا تھا کہ ان کی سواری اپنی سواری سے اور ان کا لباس اپنے لباس سے بہتر دیکھتا تھا، پھر جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ ''جب تم میں سے کوئی مال اور تخلیق (شکل وصورت) میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھے تو اُسے اپنے سے نیچے والے کو بھی دیکھنا چاہئے، جس کی وجہ سے تم اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو حقیر نہ سمجھو گے''۔(۱۶) وہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ سننے کے بعد فقراء کی صحبت اختیار کی اور بڑی راحت پائی، یہاں آپ کے ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے اصحاب کی نظر میں فقر وغنا کی حد کیا ہے؟ اس لئے میں اس کا جواب کتبِ حدیث کی روشنی میں دے رہا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''جو شخص اپنے گھر والوں میں اطمینان سے صبح کرے، اسے صحت حاصل ہو اور اسے اُس دن کی روزی میسر ہو تو وہ ایسا ہے کہ ساری دنیا اس کے لئے جمع کر دی گئی ہو''۔(۱۷)

حضرت عثمانؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''ابن آدم کو صرف اِن چیزوں کا حق حاصل ہے: ایک گھر جس میں رہے، کپڑا جس سے اپنا بدن چھپائے اور روکھی سوکھی روٹی اور پانی''۔(۱۸)

ایک صاحب نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے پوچھا کہ کیا ہم فقرائے مہاجرین میں نہیں ہیں؟ تو انہوں نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس بیوی ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! پھر پوچھا کہ کیا تمہارے پاس رہنے کے لئے گھر ہے؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو ابن عمروؓ نے کہا تب تو تم مالداروں میں سے ہو اس پر انہوں نے کہا کہ میرے پاس ایک خادم بھی ہے تب انہوں نے کہا کہ تب تو تم بادشاہوں میں سے ہو، (۱۹) اُن سے ان کے ساتھیوں نے پوچھا کہ

مالداری کی حد کیا ہے جس کے بعد سوال جائز نہیں؟ تو انہوں نے کہا بس اتنی بہت ہے کہ آدمی اس سے صبح کا کھانا کھالے، یا شام کا کھانا کھالے،(۲۰) اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے سوال کو ناپسند فرماتے اور کہتے تھے کہ "اگر تم جان لو کہ سوال میں کیا برائی ہے تو کوئی کسی سے کوئی سوال نہ کرے،(۲۱) اسی طرح آپ ﷺ صحابہ کو سوال کی ذلت سے منع کرتے تھے۔

ایک بار ایک انصاری نے آپ ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تمہارے گھر میں کچھ نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں ایک بستر ہے جس کا ایک حصہ اوڑھ لیتے اور ایک حصہ بچھا لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس میں پانی پیتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ دونوں میرے پاس لاؤ چنانچہ وہ یہ چیزیں لے آئے آپ ﷺ نے ان دونوں چیزوں کو لے کر پوچھا کہ ان دونوں کو کون خریدے گا؟ ایک شخص بولا کہ میں انہیں ایک درہم میں لوں گا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین بار پوچھا کہ ایک درہم پر کون اضافہ کرے گا، تو ایک صاحب بولے کہ میں انہیں دو درہم میں لوں گا، تو آپ ﷺ نے انہیں دونوں چیزیں دیدیں اور دونوں درہم انصاری کو دے کر فرمایا ایک درہم سے کھانا خرید کر اپنے گھر والوں کو دے دو اور دوسرے سے ایک کلہاڑی خرید لاؤ، جب وہ کلہاڑی لے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اس میں لکڑی ٹھونکی اور کہا جاؤ، لکڑیاں کاٹ کر بیچو اور میں تمہیں پندرہ دنوں تک نہ دیکھوں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور جب آئے تو ان کے پاس دس درہم تھے جن سے انہوں نے کپڑا اور کھانا خریدا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ "یہ اس سے بہتر ہے کہ سوال کرنا قیامت میں تمہارے چہرے کا داغ بنے"۔(۲۲)

رسول اللہ ﷺ مردانگی کی ایک مثال تھے، صفائی اور خوشبو پسند کرتے تھے مگر نمود ونمائش کو ناپسند کرتے تھے، حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہاتھ میں ریشم اور دوسرے ہاتھ میں سونا لے کر فرمایا کہ یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔ (۲۳)

ایک بار حضرت عمرؓ نے ایک ریشمی حُلّہ (جوڑا) بِکتا ہوا دیکھا تو اسے آپ ﷺ کے پاس لاکر کہنے لگے کہ یارسول اللہ! اسے خرید لیجئے اور عید اور وفود کے استقبال کے موقع پر استعمال کیجئے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ان کا لباس ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ (۲۴)

یہ سیّد العرب اور جزیرۂ عربیہ کے مالک کا کہنا تھا جن کی مسجد سامانِ غنیمت سے بھر جاتی تھی مگر وہ اس کا آخری درہم بھی لوگوں پر تقسیم کردیتے تھے اور جب گھر آتے تو کھجور کی چھالوں سے بھرے بستر پر سو جاتے تھے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ کا بستر چمڑے کا تھا جس میں چھال بھری تھی (۲۵) وہ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ جس چٹائی پر سوتے اور نماز پڑھتے تھے اُسی کو دن میں بچھا کر بیٹھتے تھے (۲۶) اور کھانے کے معاملے میں بھی بہت زاہد وقانع تھے اور فرماتے تھے کہ ابن آدم کے لئے چند لقمے کافی ہیں جو اُس کی کمر سیدھی رکھیں (۲۷) آپ ﷺ کے خادم حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روٹی کبھی روغنی نہیں ہوتی تھی اور نہ کبھی اونچے دسترخوان (میز وکرسی) پر آپ ﷺ نے کھایا۔ (۲۸)

حضرت سہیل بن سعدؓ سے پوچھا گیا کہ کیا کبھی آپ ﷺ نے میدے کی روٹی کھائی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ بعثت سے وفات تک آپ ﷺ نے مَیدہ دیکھا بھی نہ ہوگا۔ (۲۹)

زُہد سے آپ ﷺ کا مقصد مال کو ضائع کرنا اور بندوں کے لئے اللہ کی حلال کردہ زیب و زینت کو حرام کرنا نہ تھا، کیونکہ آپ ﷺ نے زہد کی یہ تعریف کی تھی کہ ’’دنیا میں زہد و بے رغبتی حلال کو حرام کرنا اور مال کو ضائع کرنا نہیں بلکہ یہ ہے کہ تمہیں اپنے ہاتھوں کے مال سے، اللہ کے پاس کے مال پر زیادہ بھروسہ ہو اور مصیبت کے وقت ثواب پر نظر ہو، (۳۰) کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ﴿لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَافَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ﴾ (سورۂ حدید:۲۳) (تا کہ تم فوت ہونے والی شے پر افسوس اور موجودہ پر بیجا خوشی نہ کرو) آپ ﷺ صفائی، خوشبو اور اچھی ہیئت پسند کرتے تھے اور اس کی تاکید کرتے تھے، حضرت عطاء بن یسارؒ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک صاحب سر اور داڑھی کے بال بکھیرے ہوئے آئے تو آپ ﷺ نے اشارے سے بالوں کو درست کرنے کے لئے کہا، وہ درست کر کے آئے، اُس وقت آپ ﷺ نے فرمایا کہ ’’کیا یہ اس سے بہتر نہیں کہ تم میں سے کوئی شیطان کی طرح سر کے بال بکھیرے ہوئے آئے‘‘۔ (۳۱) آپ ﷺ نے ایک شخص کے میلے کپڑے دیکھے تو فرمایا ’’کیا انہیں صابن میسر نہیں کہ اپنے کپڑے دھو لیتے؟‘‘ (۳۲) ہند بنت عتبہ آپ ﷺ سے بیعت کے لئے آئیں تو ان سے فرمایا کہ ’’میں تمہیں بیعت نہیں کروں گا جب تک کہ تم اپنی درندہ نما ہتھیلیوں کو صاف نہ کر لو‘‘۔ (۳۳) آپ ﷺ کا مقصد تھا کہ وہ ناخن کاٹ لیں اور مہندی لگا لیں، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ’’اللہ پاک و طیّب ہے خوشبو کو پسند کرتا ہے، وہ صاف ستھرا ہے، صفائی پسند کرتا ہے، کریم ہے کرم پسند کرتا ہے، جواد ہے سخاوت پسند کرتا ہے، تو اپنے گھر صاف رکھو اور یہود جیسے نہ رہو‘‘۔ (۳۴) تو رسول اللہ ﷺ زہد و قناعت کے سبب فخر و غرور، اسراف و فضول خرچی ناپسند فرماتے تھے اور ایک مسلمان کو اوسط روزی پر راضی اور سخی و صفائی پسند

دیکھنا چاہتے تھے۔

آپ ﷺ نے زہد وقناعت کی مثال بن کرہمیں شریفانہ زندگی کی تعلیم دی، آپ ﷺ کی چٹائی پرکبھی نوّے ہزار درہم بھی ہوتے تھے جنہیں آپ لوگوں کوعطا کرکے ایسی چٹائی پر سورہتے جس سے آپ ﷺ کے جسم پرنشان پڑجاتے اور جب لوگ ان کے لئے نرم بستر کی بات کرتے تووہ فرماتے تھے کہ ''میری اوردنیا کی مثال اُس راہ گیر کی ہے جوکسی درخت کے سائے میں بیٹھے اور پھر رخصت ہوجائے''۔(۳۵) آپ ﷺ کومرض الموت میں یادآیا کہ گھر میں سات دینار رہ گئے ہیں تو آپ ﷺ نے گھر والوں کوانہیں صدقہ کرنے کاحکم دیا جسے وہ مرض کی وجہ سے بھول گئے، پھر وفات سے پہلے اتوار کوآپ ﷺ کوکچھ افاقہ ہواتو حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ اُن سات دیناروں کوکیا کیا؟ انہوں نے بتایا کہ وہ ابھی ہیں تو آپ ﷺ نے طلب کرکے اُنہیں ہاتھ پر رکھا اور فرمایا ''محمد ﷺ نے اپنے رب سے اچھا گمان نہ رکھا اگر اِن کے ہوتے وہ اللہ سے ملا'' (۳۶) پھر اُنہیں فقراء پر صدقہ کردیا، وفات کے وقت آپ ﷺ کے جسم پر ایک موٹا کرتا اور تہبند تھا،(۳۷) لیکن آپ ﷺ نے اپنے بعد زہد وقناعت کی روشنی چھوڑی جولوگوں کو حیاتِ طیبہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اور جسمانی متاعِ فانی سے ہٹا کرابدی روحانی زندگی کی طرف متوجہ کرتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زہد وقناعت میں عوام وخواص کے لئے مثال بنے رہیں گے مگر وہ پوری طرح ان کی پیروی نہیں کرپائیں گے۔

# مراجع ومصادر

(۱) جامع الترمذی ج:۲ص/۶۰

(۲) جامع الترمذی باب ماجاء فی الحمیۃ ج:۲ص/۲۴

(۳) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/۵۰۰

(۴) جامع الترمذی باب ماجاء فی معیشۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج:۲ص/۶۰-۵۹

(۵) جامع الترمذی باب ماجاء فی فضل فاطمۃ ج:۲ص/۲۲۷

(۶) مسند احمد ج:۱ص/۱۰۸ امسند علی بن ابی طالبؓ

(۷) الترغیب والترہیب ج:۱ص/۵۵۷

(۸) صحیح بخاری ج:۲ص/۹۵۶ باب کیف کان عیش النبی ﷺ الخ

(۹) صحیح بخاری باب من صلی بالناس الخ ج:۱ص/۱۱۷

(۱۰) صحیح مسلم فصل فی بیان ان معیشۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ ج:۲ص/۴۱۰

(۱۱) صحیح بخاری باب کیف کان عیش الخ ج:۲ص/۹۵۶

(۱۲) جامع الترمذی ج:۲ص/۷۰

(۱۳) الترغیب والترہیب ج:۴ص/۱۷۰

(۱۴) کنز العمال ج:۳ص/۸۷

(۱۵) الترغیب والترہیب ج:۴ص/۲۰۹

(۱۶) صحیح مسلم کتاب الزہد ص/۴۰۷

(۱۷) جامع الترمذی ابواب الزہد ج:۲ص/۵۸

(۱۸) جامع الترمذی ابواب الزہد ج۲:ص/۵۷

(۱۹) صحیح مسلم فصل فی الصبر علی قلۃ ما یجد الخ ج:۲ص/۴۱۰

(۲۰) سنن ابی داؤد ج:اص/ ۲۳۰

(۲۱) کنز العمال ج:۶ ص/ ۶۲۵

(۲۲) سنن ابی داؤد باب ماتجوز فیہ المسألۃ ج:اص/۲۳۲

(۲۳) سنن ابی داؤد باب فی الحریر للنساء ج:۲ص/ ۵۶۱

(۲۴) صحیح مسلم کتاب اللباس ج:۲ص/ ۱۹۰

(۲۵) صحیح بخاری باب کیف کان عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ ج:۲ص/ ۹۵۶

(۲۶) صحیح بخاری باب صلوۃ اللیل ج:اص/ ۱۰۱

(۲۷) جامع الترمذی رقم الحدیث:۲۳۸۱

(۲۸) صحیح بخاری باب الخبز المرقق الخ ج:۲ص/ ۸۸۱

(۲۹) صحیح بخاری باب ماکان النبی واصحابہ یأکلون ص/۸۱۴ ج:۲

(۳۰) جامع الترمذی، باب ماجاء فی الزہادۃ فی الدنیا ج:۲ص/ ۵۷

(۳۱) مشکوۃ المصابیح باب الترجل ص/۳۸۴

(۳۲) مسند احمد، مسند جابر بن عبداللہ ج:اص/ ۱۰۳۶

(۳۳) سنن ابی داؤد کتاب الترجل ج:۲ص/۵۷۴

(۳۴) جامع الترمذی، باب ماجاء فی النظافۃ ج:۲ص/۱۰۳

(۳۵) جامع الترمذی باب بغیر عنوان ج.۲ص/۶۰

(۳۶) مسند احمد، مسند عائشۃ رضی اللہ عنہا ج:اص/ ۱۸۳۸

(۳۷) صحیح بخاری، باب ماذکر من درع النبی ﷺ الخ ج:اص/ ۴۳۸

۵

# تواضع، سادگی و بے تکلفی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ظاہر اور نمایاں صفت جو آپ ﷺ کے مزاج شریف میں برابر رہی، وہ آپ ﷺ کی سادگی و بے تکلفی اور تواضع تھی جس کے سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانی شرافت کی سچی تصویر تھے، آپ ﷺ سراپا سادگی تھے جسکا ظہور آپ ﷺ کی کامل شخصیت میں آپ ﷺ کے قلب مبارک سے ہوتا تھا جس سے آپ ﷺ کے سامنے سیادت و بادشاہت اور ان کی ریاکاری اور ملمع سازی ختم ہوجاتی تھی، آپ ﷺ سب کے قریب اور سہل الحصول تھے، دور وقریب، دوست ودشمن، گھر والوں اور شاہی نمائندوں سے بے تکلف و بے تصنع ملتے تھے، اور حق بات اُن کے سامنے رکھتے تھے، آپ ﷺ کے فطری اعمال آپ ﷺ کے اخلاق کی اُسی طرح دلیل تھے جیسے تصویر، صاحب تصویر کی دلیل ہوتی ہے۔

حضرت عدی بن حاتم طائیؓ کا قصہ سنیئے جو وہ بیان کرتے ہیں جب وہ مسلمانوں کے ذریعہ اپنے علاقے کی فتح کے بعد وہاں سے شام چلے گئے تھے، پھر وہاں سے واپسی کے وقت وہ کہتے ہیں کہ مجھے خیال ہورہا تھا کہ میں مدینہ کے بادشاہ سے ملوں گا، جب میں وہاں داخل ہوا تو آپ ﷺ مسجد میں تھے، میں نے سلام کیا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ میں نے عرض کیا عدی بن حاتم!

یہ سن کر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور مجھے اپنے گھر لے گئے اسی اثناء میں ایک بڑھیا ملی جس نے انہیں دیر تک ٹھہرا کر اپنی حاجت بیان کی یہ دیکھ کر میں نے دل میں کہا یہ بادشاہ نہیں ہیں پھر جب میرے ساتھ اپنے گھر میں داخل ہوئے تو چھال سے بھرا ایک تکیہ میری طرف پھینکتے ہوئے فرمایا کہ تم اس پر بیٹھو میں نے عرض کیا آپ ﷺ ہی بیٹھیں تو آپ ﷺ نے پھر مجھے بیٹھنے کو کہا چنانچہ میں بیٹھ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر بیٹھ گئے تو میں نے پھر اپنے دل میں کہا کہ یہ بادشاہوں کا طریقہ تو نہیں ہوتا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ عدی بن حاتم کیا تم اکوسی نہیں تھے؟ (جو نصرانیت و صابیت کا درمیانی دین ہوتا ہے) تو میں نے تسلیم کیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اپنی قوم میں صلیب کے ساتھ نہیں پھرتے تھے؟ میں نے اسے بھی تسلیم کیا، آپ ﷺ نے فرمایا وہ تمہارے دین میں حلال نہ تھا، میں نے اسے بھی تسلیم کیا، اس پر میں نے یقین کرلیا کہ وہ نبیُ مرسل ہیں اور غیبی امور جانتے ہیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ عدی تمہیں اِس دین میں داخل ہونے سے مسلمانوں کی محتاجی روکتی ہے؟ تو واللہ قریب ہے کہ اُن میں مال کی ایسی کثرت ہوگی کہ کوئی لینے والا نہ ملے گا اور شاید دین اسلام سے تمہیں یہ بات بھی روکتی ہے کہ تم اُن کے دشمنوں کی کثرت اور ان کی قلت دیکھ رہے ہو تو واللہ تم عنقریب سنو گے کہ کوئی عورت قادسیہ سے اپنے اونٹ پر اس گھر کی زیارت کے لئے بے خوف ہو کر آئے گی اور تمہیں اس دین سے یہ بات بھی روکتی ہے کہ تم بادشاہت دوسروں میں دیکھتے ہو تو بخدا تم سنو گے کہ بابل کے سفید محلات ان کے ہاتھوں فتح ہو گئے یہ سن کر میں مسلمان ہو گیا۔(۱)

حضرت عدیؓ کی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہوئی

اور انہوں نے قادسیہ اور بابلی محلات فتح ہوتے دیکھے، یہ محمدی فطرت تھی جس پر کوئی ملمع نہ تھا اس سے پہلے بھی ایک بار عدیؓ اپنے بعض گھر والوں کی رہائی کے لئے مغلوب ہوکر آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے انہیں بستر پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھے اور ان سے بے تکلفی سے باتیں کیں۔ پھر یہ منظر بھی دیکھئے کہ آپ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم وفات پاتے ہیں اور سورج گرہن لگ جاتا ہے اور لوگ اسے ابراہیم کی موت کا نتیجہ سمجھتے ہیں تو آپ ﷺ مسجد میں آکر اس کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں جو کسی کے مرنے جینے سے متأثر نہیں ہوتے اور جب تم ایسا دیکھو تو اللہ سے دعا کرو، نماز پڑھو، اور صدقہ کرو۔ (۲)

یہ اُس نفسِ معصوم کا حال تھا جو حق کو حق کے لئے پسند کرتا تھا اور اپنی سادگی سے کسی واہمہ واتفاق کے استحصال سے بچتا تھا اور کسی توہم وضلالت پر خاموش نہیں رہتا تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی تھا جو مجھ سے کھجور کٹنے سے پہلے خرید لیتا تھا، ایک بار اس میں تاخیر ہوئی تو وہ کٹنے کے وقت آگیا مگر میرے پاس کچھ نہ تھا تو میں اس سے اگلے سال تک کی مہلت مانگنے لگا مگر اس نے انکار کیا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی تو آپ ﷺ نے اصحاب سے کہا کہ چلو جابر کے لئے یہودی سے مہلت دلائیں چنانچہ آپ حضرات میرے نخلستان میں آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس یہودی سے بات کرنے لگے تو وہ کہنے لگا کہ ابوالقاسم میں اسے مہلت نہیں دے سکتا یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر نخلستان میں ٹہلتے رہے اور اس سے دوبارہ بات کی مگر اس نے انکار ہی کیا اس کے

بعد میں نے تھوڑی سی رُطَب کھجوریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھیں جنہیں کھانے کے بعد آپ ﷺ نے پوچھا کہ جابر تمہارا چھپّر کہاں ہے؟ تو میں نے بتادیا آپ ﷺ نے کہا کہ اس میں میرے لئے کچھ بچھادو تو میں نے بچھادیا جس میں آپ ﷺ سو گئے پھر جب بیدار ہوئے تو ایک مٹھی کھجور اور پیش کی جس میں سے آپ ﷺ نے کھایا پھر یہودی سے بات کی تو اس نے انکار کیا اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جابر کھجوریں کاٹ کر اپنا قرض ادا کرو، جابرؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے برکت دی اور انہوں نے قرض ادا کر دیا اور کچھ کھجوریں بچ بھی گئیں۔ (۳) یہ حکایت آپ ﷺ کی سادگی وتواضع کی بخوبی تصویر کشی کرتی ہے کہ کس طرح آپ ﷺ نے یہودی اور حضرت جابرؓ کے معاملے میں سعی کی اور کس سادگی سے کھایا اور سوئے اور یہودی سے مایوس ہونے کے بعد اپنے ساتھی کو اداءِ قرض کا حکم دیا، اب دیکھئے کہ آپ ﷺ کس طرح اپنے ایک صحابی سے اجازت طلب کرتے اور واپس تشریف لاتے ہیں۔

حضرت قیس بن سعدؓ کہتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ فرمایا میرے والد نے آہستہ سے جواب دیا تو میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت نہیں دیں گے؟ تو انہوں نے کہا کہ ابھی رہنے دو تاکہ وہ اور سلام کہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ سلام کہہ کر واپس ہو گئے، آپ ﷺ کے پیچھے سعدؓ دوڑے گئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ میں آپ ﷺ کا سلام سن رہا تھا اور آہستہ جواب دے رہا تھا تاکہ آپ ﷺ ہم پر زیادہ سلام بھیجیں، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ واپس آئے، سعدؓ نے آپ ﷺ سے غسل کے لئے کہا تو آپ ﷺ نے غسل

فرمایا، پھر آپ ﷺ کو ایک زعفرانی چادر پیش کی جسے آپ ﷺ نے اوڑھا پھر ہاتھ اٹھا کر یہ دعا دی کہ اے اللہ آلِ سعد پر اپنی رحمت نازل فرما، جب آپ ﷺ نے واپسی کا ارادہ کیا تو سعد نے ایک گدھا حاضر کیا اور قیس سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاؤ چنانچہ میں ساتھ گیا۔

آپ ﷺ نے اپنے ساتھ مجھے سوار ہونے کے لئے فرمایا تو میں نے انکار کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ یا تو سوار ہو یا واپس جاؤ چنانچہ میں واپس آ گیا (۴) سید العرب والعجم ﷺ اس طرح سادگی سے مدینہ کے اپنے ایک بڑے انصاری صحابی کے پاس پیدل جاتے ہیں اور گدھے پر بیٹھ کر واپس آتے ہیں اور اپنے ساتھ رفیق کو بھی بٹھانا چاہتے ہیں یہ پاکیزہ عادت امرِ محمد ﷺ کی اطاعت اور اس کے باعثِ قربت ہونے کی راہ میں کبھی حائل نہیں ہوئی، اگر لوگ سمجھتے ہیں کہ وفاداری واطاعت شعاری کی بقاء کے لئے ریاست وحکومت کا مظاہرہ ضروری ہے تو اُن لوگوں کے لئے رسولِ متواضع ﷺ کے ساتھ سعدؓ اور انصار کی وفاداری دعوتِ اسلامیہ کی تاریخ میں ایک مثال بنی رہے گی۔

قیسؓ کو اپنے ساتھ گدھے پر سواری کی دعوت آپ ﷺ کی طرف سے کوئی نئی بات نہ تھی بلکہ آپ ﷺ کی عادتِ شریفہ تھی کہ اپنے گدھے، خچر یا اونٹ پر کسی اور کو بھی بٹھا لیتے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ باری باری بھی سوار ہوتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ ﷺ کا بنی عبد المطلب کے بچوں نے استقبال کیا تو ان میں سے ایک کو اپنے آگے اور دوسرے کو پیچھے بٹھا لیا۔ (۵) حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ میں عُفَیر نامی گدھے پر آپ ﷺ کے ساتھ سوار تھا (٦) تو ایک پیدل آدمی ملا جس کے لئے آپ ﷺ

گدھے پر کچھ پیچھے ہوئے اور اس سے کہا کہ تم اپنی سواری پر آگے بیٹھنے کے زیادہ حقدار ہو الاّ یہ کہ اسے مجھے دے دو تو اس آدمی نے کہا میں نے آپ ﷺ کو دیا۔(۷)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلنے میں پیچھے رہتے تھے اور کمزوروں کو آگے بڑھاتے یا اپنے ساتھ بٹھا لیتے اور ان کے لئے دعا کرتے (۸) تکبر آپ ﷺ کو سخت ناپسند تھا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ''وہ جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ذرا بھی کبر ہوگا''۔ اس پر ایک صاحب نے کہا کہ آدمی چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے، کبر تو حق کا انکار اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔(۹)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لوگ اپنے گزشتہ آباء پر فخر سے رک جائیں، اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلی کبر کا خاتمہ کر دیا ہے، اب یا تو مؤمن متقی ہوگا یا فاجر شقی ہوگا، لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی کے بنے تھے'' (۱۰) یہ حدیث لفظی اور معنوی طور سے کبر و متکبرین سے غضبِ نبوی کو ظاہر کر رہی ہے اگر لوگوں کے لئے آباء پر فخر جائز ہوتا تو محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب جزیرۃ العرب میں فخر کے سب سے زیادہ حقدار تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ اپنے قائم کردہ معاشرے میں پیشوں، مرتبوں اور احساب وانساب میں برابری کے قائل تھے، جہاں وجہِ فضیلت عمل صالح ہے جو مردِ صالح کو بلند کرتا ہے، ایک بار آپ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ سفر پر تھے لوگوں نے کھانا تیار کرنے کے لئے آپس میں کام تقسیم کر لئے تو آپ ﷺ لکڑیاں جمع کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو لوگوں نے آپ ﷺ کو منع کیا مگر آپ ﷺ نے یہ کہہ کر انکار

کر دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھیوں پر اپنے کو فوقیت دینے والے کو ناپسند کرتا ہے۔

ایک بار آپ ﷺ کے رعب سے ایک اعرابی کانپنے لگا تو آپ ﷺ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ میں تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھاتی تھی۔(۱۲)

ایک بار آپ ﷺ عصا سے ٹیک لگا کر اصحابؓ کے پاس آئے تو وہ لوگ تعظیماً کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ نے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ عجمیوں کی طرح نہ کھڑے ہو جو ایک دوسرے کی تعظیم میں کھڑے ہوتے ہیں (۱۳) اسی طرح ہاتھ چومنے کو عجمی فعل سمجھتے اور اس سے منع فرماتے تھے۔

اسی طرح آپ ﷺ آداب والقاب میں مبالغہ ناپسند فرماتے تھے، ایک بار بنو عامر کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ ﷺ ہمارے سید و سردار ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا سید تو اللہ ہے، وہ لوگ کہنے لگے آپ ﷺ ہم سے افضل اور عظیم الشان ہیں، آپ ﷺ نے انہیں تنبیہ کرتے ہوئے کہا تم اپنی بات کہو شیطان تمہیں بہکائے نہیں۔(۱۴)

حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی کی تعریف کی، تو آپ ﷺ نے اس سے کہا کہ تم نے تو اپنے ساتھی کی گردن ماردی (۱۵) یعنی تعریف میں مبالغہ کر کے اسے ہلاک کر دیا کیونکہ وہ اس سے غرور میں مبتلا ہو گا اور ہلاک ہو گا، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ ہم تعریف کرنے والوں کے منہ پر مٹی ڈال دیں۔(۱۶)

اسی طرح آپ ﷺ ڈینگ مارنے اور مبالغہ پر مبنی گفتگو کو ناپسند کرتے تھے

اور فرماتے تھے کہ تم میں سے مجھے سب سے پسند اور قیامت میں مجھ سے قریب اچھے اخلاق والا ہوگا اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور مجھ سے دور باتیں بنانے والے، بتکلف باتیں کرنے والے اور متکبر لوگ ہوں گے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! متفیھقون کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ متکبر لوگ، اور ثرثارون بات بنانے والے اور متشدّقُونَ منہ بنابنا کر باتیں کرنے والے ہیں۔(۱۷)

اسی طرح آپ ﷺ مبالغہ کرنے والے خطیب کو ناپسند کرتے تھے، جو اپنی فصاحت سے لوگوں کو مبہوت کر دے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو خطابت لوگوں کے دلوں پر قبضہ کرنے کے لئے سیکھتا ہے تو قیامت میں اللہ اس کے کسی فرض ونفل کو قبول نہیں کرے گا۔(۱۸)

آپ ﷺ کئی بار فرماتے تھے کہ مبالغہ آمیز گفتگو کرنے والے ہلاک ہو گئے۔(۱۹)

یہ سب نتیجہ تھا آپ ﷺ کی طبعی سادگی و بے تکلفی کا جو ظاہر داری، ریا کاری، اور تکلف سے بری تھی، آپ ﷺ سادگی وتواضع کے ساتھ اخلاقِ فاضلہ کے مالک تھے، لوگوں کو سلام میں پہل کرتے تھے (۲۰) اور ہر چھوٹے بڑے مخاطب کی طرف پوری طرح متوجہ ہوتے تھے (۲۱) اور مصافحہ میں اپنا ہاتھ بعد میں الگ کرتے تھے (۲۲) صدقہ اپنے ہاتھ سے مسکین کے ہاتھ میں دیتے تھے (۲۳) اور مجلس میں سب سے پیچھے بیٹھنے کی کوشش کرتے تھے (۲۴) اپنے یا کسی ساتھی اور پڑوسی کا کام کرنے میں شرماتے نہیں تھے، بازار جا کر اپنا سامان خود لاتے (۲۵) اور فرماتے کہ میں اسے اٹھانے کا زیادہ حقدار ہوں، مزدور کی

طرح کام میں بھی آپ ﷺ کو عار نہ تھا خواہ وہ مسجدِ مدینہ کی تعمیر ہو (۲۶) یا خندق کی کھدائی ہو (۲۷) اور آپ ﷺ امیرالجیش ہی کیوں نہ ہوں۔

اسی طرح آپ ﷺ لباس اور مکان کے سلسلے میں بھی متواضع تھے، عام لوگوں جیسا لباس پہنتے تھے اور دولت وسلطنت کے باوجود کچی اینٹوں سے بنے حجروں میں رہتے تھے اور حجروں کے درمیان کھجور کی شاخوں اور مٹی سے بنی دیواریں تھیں جو کھال یا اونٹوں کے کالے بالوں کے کمبلوں سے ڈھکی رہتی تھیں۔ (۲۸)

آپ ﷺ ہر آزاد غلام، باندی اور مسکین کی دعوت قبول کر لیتے، معذرت خواہ کا عذر قبول کر لیتے، اپنے کپڑوں میں پیوند لگا لیتے، اپنا جوتا گانٹھ لیتے، اپنا کام خود کرتے، اپنے اونٹ کو باندھتے، خادم کے ساتھ کھاتے اور ہر کمزور ومحتاج کی حاجت پوری فرماتے تھے۔ (۲۹)

یہ آپ ﷺ کی فطری سادگی وتواضع تھی اور آپ ﷺ کی سچی تصویر تھی اس لئے اس سے آپ ﷺ کی عظمت ومحبت کم نہیں ہوتی تھی، آپ ﷺ کے وصف میں کہا گیا ہے کہ جو آپ ﷺ کو اچانک دیکھتا تو مرعوب ہوتا تھا اور جو آپ ﷺ کے ساتھ رہتا وہ آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا تھا، چنانچہ آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے اصحاب اور دیگر لوگوں کا معاملہ انتہائی ادب ووقار اور محبت کا تھا، آپ ﷺ میں تکبر نہ تھا مگر بے ادبی بھی ناپسند تھی، آپ ﷺ اصحاب کو اپنی خدمت میں رہنے اور گفتگو کا طریقہ بھی بتایا کرتے تھے۔

سر ولیم مور جو آپ ﷺ کے ناقدوں میں ہے آپ ﷺ کی تواضع وسادگی کے بارے میں لکھتا ہے "سادگی وسہولت آپ ﷺ کی پوری زندگی میں نظر آتی

تھی اور آپ ﷺ اپنے معمولی صحابی سے بھی اخلاق وادب سے پیش آتے تھے، چنانچہ تواضع اور صبر وشفقت، ایثار وسخاوت آپ ﷺ کی نمایاں صفات تھیں جو آپ ﷺ کو ہر دل عزیز بناتی تھیں، آپ ﷺ نے کبھی کسی معمولی آدمی کی دعوت اور کسی معمولی ہدیے سے بھی انکار نہیں کیا، آپ ﷺ مجلس میں بلند وبرتر جگہ پر نہیں بیٹھتے تھے اور کوئی معمولی آدمی بھی آپ ﷺ کی بے توجہی کا شاکی نہیں تھا، اپنی کامیابی پر خوش ہونے والے کا ہاتھ پکڑ کر اس کی خوشی میں شریک ہوتے تھے اسی طرح غمگین ومصیبت زدہ کے دکھ درد میں شریک ہوتے، تنگی میں بھی کھانے میں اوروں کو شریک کر لیتے تھے اور اپنے ساتھیوں کی راحت رسانی کی فکر میں لگے رہتے تھے"۔

ہم سیرت نگاری میں کسی کے محتاج نہیں کیونکہ آپ ﷺ اس سلسلے میں بھی پیغمبران ومشاہیرِ عالم سے ممتاز ہیں اور آپ ﷺ کی سیرت کا ہر پہلو واضح ہے، یہاں ولیم مور کی عبارت ہم نے اس لئے نقل کی کہ وہ سچے اعتراف پر مبنی ہے، اگر ہم سیرت کا کما حقہ مطالعہ کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دلوں میں بھی زندہ نظر آئیں جیسے کہ وہ اپنے اصحاب کے درمیان تھے اور ان کے قول وعمل کے تابندہ نقوش آپ ﷺ کی شخصیت کی طرح تاباں ودرخشاں نظر آئیں جو سچے اخلاق وآداب سے مزین تھی اور شب وروز، ظاہر وباطن، راحت ومصیبت، ضعف وقوت، جوانی اور بڑھاپے میں (جب وہ نبوت وحکومت سے سرفراز تھے) یکساں نظر آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اپنے اخلاق اور سادگی وتواضع میں ہمیشہ یکساں ویک رنگ نظر آتی ہے، ایک طرف اُس کا تعلق آسمان کی بلندیوں سے

ہےتو دوسری طرف وہ زمین کی باشندہ اورلوگوں کی محبوب بھی ہے، اپنی زندگی کے ہر دور میں آپ ﷺ بطل الابطال اورایسی نادر مثال نظر آتے ہیں جس کی پیروی کے ہم محتاج ہیں۔

آپ ﷺ کی مثالی شخصیت کی بدولت اسلام کا اجتماعی ومعاشرتی نظام قائم ہوا جس نے انسانوں کواسلامی اخوت ومساوات کے رشتے سے جوڑ دیا، جس میں دولت اور حسب ونسب سے کسی کی شان نہیں بڑھتی اوراس میں یا تو آدمی مؤمن متقی ہوگا یا فاجر شقی اور جس میں ہرانسان کواولادِ آدم سمجھا جاتا ہے۔

## مراجع ومصادر


(۱) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/ ۵۸۱-۵۸۰

(۲) صحیح بخاری باب الصدقۃ فی الکسوف ج:اص/۱۴۲

(۳) مسند احمد، مسند جابر بن عبداللہؓ ص/ ۱۰۶۶

(۴) سنن ابی داؤد، باب کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستیذان ج:۲ص/ ۷۰۵-۷۰۴

(۵) صحیح بخاری باب الثلاثۃ علی الدابۃ ج:۲ص/۸۸۲

(۶) صحیح بخاری: باب اسم الفرس والحمار ج:اص/۴۰۰

(۷) جامع الترمذی، باب ان الرجل احق بصدر دابتہ ج:۲ص/ ۱۰۱

(۸) دلائل النبوۃ ج:۶ص/ ۱۵۱

(۹) صحیح مسلم، باب تحریم الکبر وبیانہ ج:اص/ ۶۵

(۱۰) جامع الترمذی، ابواب المناقب ج:۲ص/۲۳۴

(۱۱) سبل الہدیٰ والرشاد ج:۷ص/ ۱۳

(۱۲) سنن ابن ماجہ باب القدید ص/ ۲۴۶

(۱۳) سنن ابی داؤد، باب الرجل یقوم للرجل الخ ج:۲ص/۷۱۰

(۱۴) سنن ابی داؤد، باب کراھیۃ التمادح ج:۲ص/۶۶۲

(۱۵) صحیح بخاری باب مایکرہ من التمادح، ج:۲ص/ ۸۹۵

(۱۶) جامع الترمذی، باب کراھیۃ المدحۃ والمداحین ج:۲ص/۶۲

(۱۷) جامع الترمذی، باب ماجاء فی معانی الاخلاق ج:۲ص/۲۲

(۱۸) سنن ابی داؤد، باب فی التشدق فی الکلام ج:۲ص/۶۸۳

(۱۹) صحیح مسلم، کتاب العلم ج:۲ص/ ۳۳۹

(۲۰) شمائل الترمذی، باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ ص/۲

(۲۱) ایضاً

(۲۲) جامع الترمذی ج:۲ص/۲۷

(۲۳) سبل الھدیٰ والرشاد ج:۸ص/ ۴۰۸

(۲۴) دلائل النبوۃ ج:۱ص/ ۲۹۰

(۲۵) سبل الھدیٰ والرشاد ج:۷ص/۴۰

(۲۶) صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ ج:۱ص/ ۵۵۵

(۲۷) صحیح بخاری باب غزوۃ الخندق ج:۲ص/ ۵۸۹

(۲۸) الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج:۱ص/۵۰۰-۴۹۹

(۲۹) سبل الھدیٰ والرشاد ج:۷ص/۴۰-۳۶

۶

# عبادت وریاضت

عبادت وریاضت آپ ﷺ کے مزاج شریف کی بہت نمایاں صفت تھی، عبادت میں آپ ﷺ اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون واطمینان پاتے تھے، اگر آپ ﷺ تارک الدنیا راہبوں اور صوفیوں کی طرح ہوتے تو آپ ﷺ کی عبادت حیرت انگیز نہ ہوتی لیکن آپ ﷺ جیسے بطل الابطال کی زندگی پر نظر ڈالنے والے کے لئے وہ نادر جامعیت باعثِ التفات ہے جو آپ ﷺ کی انتہائی درجہ کی عبادت اور امورِ دنیا کی مشغولیت کے درمیان تھی جس کے تحت آپ ﷺ اپنی محنت پر زندگی گزارتے تھے اور اہل وعیال اور فقراء کی کفالت کرتے تھے، ایک پوری قوم کی قیادت فرماتے تھے اور دنیا کی ایک نئی حکومت کے سربراہ تھے، سلاطین کو دعوتی وفود بھیجتے تھے، اور آنے والے وفود کا استقبال کرتے تھے، غزوات کی قیادت کرتے تھے، اور غیر مسلموں اور بادشاہوں کے خلاف صف آرا ہوتے تھے، فتح کی تیاری کرتے اور ہزیمت سے بچتے تھے، علاقوں میں اپنے عُمّال بھیجتے اور اموال وصول کرکے خود تقسیم فرماتے تھے، اور کہتے تھے کہ اگر میں عدل نہ کروں گا تو کون کرے گا؟ (۱) دوسری طرف دین وشریعت کی تکمیل اور وحی الٰہی کی شرح وتفصیل کرتے تھے، سنتیں قائم کرتے اور اصل سے فروع نکالتے تھے اور اُسے وحی کے مطابق بناتے تھے۔

اِسی کے ساتھ اپنے روزانہ کے معمولات بھی پورے کرتے جو بڑے بڑے مردوں کو بھی تھکا دیں اور ان افکار و مشاغل میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیل و نہار میں ایک عابد و زاہد اور اُن سے زیادہ اللہ والے نظر آتے تھے، جو پہاڑوں میں گوشہ گیر ہو جاتے ہیں۔ دین و دنیا کی یہ جامعیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تاریخِ بشری میں ایک بے مثال شخصیت بنا دیتی ہے۔

آپ ﷺ اپنے دن کا ایک حصہ عبادت کے لئے ایک حصہ لوگوں کے لئے اور ایک گھر والوں کے لئے مخصوص کئے ہوئے تھے جب عوام کا وقت زیادہ ہو جاتا تو گھر والوں کا وقت کم کر دیتے مگر عبادت کا وقت محفوظ رکھتے تھے اور اُس کی ایسی پابندی فرماتے جو آپ ﷺ کے دوستوں اور دشمنوں سب کے لئے حیرت انگیز ہے۔

آپ ﷺ کامل سنجیدگی اور خالص توجہ کی ایک مثال تھے، جب عبادت کرتے تو پورے تن من سے کرتے تھے اور جو کام شروع کرتے اسے تکمیل تک پہنچاتے تھے، مختلف مذاہب کے مؤرخین نے متفقہ طور سے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کسی بھی کام کی طرف پوری طرح متوجہ ہوتے تھے، یہ چیز لوگوں سے آپ ﷺ کے معاملات میں بھی نظر آتی تھی، جب کوئی آپ ﷺ سے بات کرتا تو آپ ﷺ اس کی بات پوری توجہ سے سنتے (۲) اور اس کی بات کاٹتے نہیں تھے۔

یہ سنجیدگی جو نفوس مؤمنہ کو حاصل ہوتی ہے وہ دین و دنیا کے کاموں کی کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے، آپ ﷺ اس معاملے میں بھی اپنے اصحاب کے لئے ایک روشن مثال تھے اور اسی چیز نے آپ ﷺ کے ساتھیوں کو قوموں کا حکمراں اور سیاستداں اور معمولی کسانوں اور تاجروں کو قیصر و کسریٰ کا جانشین بنا دیا جن کو انہوں

نے عدل واحسان کے معنیٰ بتائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فطرۃً عبادت وریاضت کو پسند کرتے اور اس میں آنکھوں کی ٹھنڈک پاتے تھے چنانچہ رسالت سے پہلے مکہ کے باہر غارِ حرا میں آپ ﷺ ایک ایک ماہ تک عبادت میں منہمک رہتے تھے۔(۳)

اَلِفَ النُّسكَ وَالْعِبَادَةَ وَالْخَلْوَةَ
طِفْلاً وَهٰكَذَا النُّجَبَاءُ
وَإِذَا حَلَّتِ الْهِدَايَةُ قَلْباً
نَشِطَتْ لِلْعِبَادَةِ الأَعْضَاءُ

(آپ ﷺ عبادت وریاضت اور خلوت کے بچپن سے عادی تھے اور ممتاز لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں اور جب ہدایت کسی قلب میں اترتی ہے تو تمام اعضاء سرگرمِ عبادت ہوجاتے ہیں)

فقہاء اور اصولیوں میں اختلاف ہے کہ آپ ﷺ کس شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے اور یہ اختلاف ان کی باتوں کو مشکوک بنا دیتا ہے، البتہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ آپ ﷺ کی عبادت کائنات اور اس کے خالق کے بارے میں غور وفکر کا نام تھی، ان سے کسی شریعت کی پیروی کی بات ثابت نہیں، کیونکہ ہدایت سے پہلے آپ ﷺ نے تمام ادیان کا انکار کردیا تھا، عربوں کی عبادت میں آپ ﷺ نے حج اختیار کیا تھا لیکن اپنے قبیلے کے بعض طریقوں کے خلاف عام لوگوں کے ساتھ وقوفِ عرفہ اور وہاں سے کوچ کرتے تھے اسی طرح آپ ﷺ نے قریش جاہلیت کی بعض حلال کردہ اشیاء کو اپنے اوپر حرام کرلیا اور اپنی عقل سے کام لیا اور برابر حق کے طالب رہے اور اس کے لئے غور وفکر کی شکل میں عبادت کرتے

رہے یہاں تک کہ انہیں یقینی مذہب حاصل ہو گیا۔

قرآن نے آپ ﷺ کے بارے میں کہا ہے کہ ﴿وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحاً مِنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيْمَانُ﴾ (سورۂ شوریٰ:۵۲) (اسی طرح ہم نے آپ ﷺ کو اپنی بات کی وحی کی ورنہ آپ ﷺ نہ کتاب جانتے تھے نہ ایمان) اسی طرح قرآن میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا احسان یاد دلایا کہ ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلّاً فَهَدٰى﴾ (سورۂ ضحیٰ:۷) (اُس نے آپ ﷺ کو (شریعت سے) بے خبر پایا تو آپ ﷺ کو (شریعت کا) راستہ بتایا) پھر جب ہدایت حاصل ہوگئی تو آپ ﷺ نماز پڑھنے لگے، اور مکہ کی گھاٹیوں میں حضرت علیؓ کو لے کر جو ابھی لڑکے تھے چلے جاتے اور وہاں چھپ کر نماز پڑھتے تھے اور شام کو لوٹ آتے تھے (۴) جب ہدایت سے آپ ﷺ کا سینہ معمور ہو گیا تو آپ ﷺ میں اللہ سے تعلق اور فنائیت کا جذبہ پیدا ہو گیا اور آپ ﷺ کی ہر حرکت وسکون اور خواب و بیداری میں ساتھ ہو گیا اور انہیں فنا فی اللہ ہونے پر آمادہ کرنے لگا اور وہ اپنے مالک کے سامنے اتنی دیر تک کھڑے رہتے کہ آپ ﷺ کے پاؤں پر ورم آجاتا تھا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اتنی دیر کھڑے رہتے کہ ان کے پاؤں یا پنڈلیاں ورم کر آتی تھیں اور ان سے کہا جاتا تو آپ ﷺ فرماتے ''کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں''؟ (۵)

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ''میں نے ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی حتیٰ کہ میں برا ارادہ کرنے لگا، اُن سے پوچھا گیا کہ کیا ارادہ تھا تو انہوں نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بیٹھ جاؤں''۔ (۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ''اللہ کو سب سے پسندیدہ نماز داوٗدؑ کی نماز تھی اسی طرح اللہ کو سب سے پسندیدہ روزہ داوٗدؑ کا روزہ تھا، کہ وہ آدھی رات تک سوتے اور تہائی رات جاگتے اور چھٹے حصے میں سوتے تھے اور ایک دن روزہ رہتے اور ایک دن افطار کرتے تھے''۔ (۷) قیامِ لیل اور تہجد کی عادت آپ ﷺ کو عمر بھر رہی اور ایسی دعائیں کرتے جو ان کی عبدیت وفنائیت کی دلیل تھیں۔آپ ﷺ دعا میں فرماتے تھے ﴿اَللّٰھُمَّ لَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ مَلِكُ السَّمٰواتِ وَالأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ الْحَقُّ، وَوَعْدُكَ الحَقُّ، وَلِقَاؤُكَ الْحَقُّ، وَقَوْلُكَ الْحَقُّ، وَالجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ، وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، اللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ، وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (۸) ''اے اللہ! سب تعریفیں تیرے لئے ہیں تو زمین و آسمان اور ان کے اندر کی چیزوں کے لئے نور ہے، سب تعریفیں تیرے لئے ہیں اور تو زمین و آسمان اور ان کے اندر کی چیزوں کا بادشاہ ہے، سب تعریفیں تیرے لئے ہیں تو حق ہے تیرا وعدہ بھی حق ہے اور تیری ملاقات بھی برحق ہے، تیرا قول بھی حق ہے اور جنت و جہنم بھی حق ہیں، سارے انبیاء برحق ہیں اور محمد ﷺ بھی برحق ہیں اور قیامت بھی حق ہے، اے اللہ! میں تیرا فرمانبردار ہوا تجھ پر ایمان لایا اور تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع ہوا، تیری مدد سے جھگڑا کیا اور تجھ ہی کو حَکَم بنایا، تو میرے اگلے پچھلے گناہ معاف کردے اور وہ

بھی جو پوشیدہ کئے یا ظاہر میں کئے۔ تو ہی آگے کرنے والا اور پیچھے کرنے والا ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، طاقت وقوت اللہ ہی سے ہے''۔

قرآن تہجد کے بارے میں آپ ﷺ سے کہتا ہے ﴿یَا اَیہا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّیْلَ اِلَّا قَلِیلًا نِصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیلًا اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرآنَ تَرْتِیلًا، اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا، اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْئًا وَاَقْوَمُ قِیلًا﴾ (سورۂ مزمل: ۱-۶) ''اے کملی والے! رات کو کھڑے ہو مگر تھوڑی دیر، آدھی یا اس سے کچھ کم کرکے، یا کچھ بڑھا کے، اور قرآن ترتیل سے پڑھو، ہم آپ ﷺ کو ایک اہم حکم دینے والے ہیں، بیشک رات کو جاگنا نفس کو ہموار اور قول کو بہتر کرتا ہے''۔ چنانچہ آپ ﷺ یہ حکم بجالائے جس کے بارے میں عہد نبوی کے شاعر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کہتے ہیں

وَفِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ یَتْلُوْ کِتَابَهٗ
إذَا انْشَقَّ مَعْرُوْفٌ مِنَ الْفَجْرِ سَاطِعُ
اَرَانَا الْهُدٰی بَعْدَ الْعَمَی فَقُلُوْبُنَا
بِهٖ مُوْقِنَاتٌ أنَّ مَا قَالَ وَاقِعُ
یَبِیْتُ یُجَافِیْ جَنْبَهٗ عَنْ فِرَاشِهٖ
اِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِکِیْنَ الْمَضَاجِعُ (۹)

(ہمارے درمیان اللہ کے رسول، اس کی کتاب پڑھتے ہیں جب صبح کا اجالا پھیلنے والا ہوتا ہے، آپ ﷺ نے اندھے پن کے بعد ہمیں ہدایت دکھائی تو ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ آپ ﷺ کا کہا واقع ہونے والا ہے، آپ ﷺ شب بیداری کرتے ہیں اور اپنے پہلو کو بستر سے الگ رکھتے ہیں جب کہ

مشرکین بستروں کا بوجھ ہوتے ہیں )

قلب محمد ﷺ ہدایت سے روشن ہوا تو ہر معاملے میں اللہ سے متعلق ہو گیا اور آپ ﷺ اسی کا ذکر کرنے لگے، اسی پر بھروسہ کرنے لگے، اسی کی راہ دیکھنے لگے، اس کے مطیع، اس سے خائف، اس کے چاہنے والے، اور رات دن ڈرنے والے بن گئے، خوشی کے موقع پر کہتے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ﴾ (۱۰) (سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس کے کرم سے نیکیاں مکمل ہوتی ہیں) اور جب کوئی ناپسندیدہ شے پیش آتی تو فرماتے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ﴾ (۱۱) (ہر حال میں اللہ ہی کی تعریف ہے) کسی کام کا ارادہ کرتے تو فرماتے ﴿اَللّٰهُمَّ خِرْلِیْ وَاخْتَرْ لِیْ﴾ (۱۲) (اے اللہ میرے لئے خیر کر اور خیر کا انتخاب کر) سفر کا ارادہ کرتے تو فرماتے ﴿اَللّٰهُمَّ بِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ اَجُوْلُ﴾ (۱۳) (اے اللہ تیری مدد سے حملہ کرتا ہوں اور سفر کرتا ہوں) سوتے وقت کہتے ﴿اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِاسْمِكَ اَرْفَعُهٗ﴾ (۱۴) (اے اللہ تیرے نام سے میں نے اپنا پہلو رکھا ہے اور اسی سے اسے اٹھاؤں گا) بیدار ہوتے تو فرماتے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ﴾ (۱۵) (سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں مرنے کے بعد اٹھایا اور اسی کی طرف جانا ہے) نیا کپڑا پہنتے تو فرماتے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَزَقَنِیْ مَا اَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَیَاتِیْ﴾ (۱۶) (سب تعریف اللہ کے لئے جس نے مجھے روزی دی کہ جس سے میں اپنی زندگی میں آرائش کرتا ہوں) کھانے کے بعد یہ دعا مانگتے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ (۱۷) (سب تعریف اللہ کے لئے جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور مسلمان بنایا) پانی پی کر یہ دعا کرتے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ

جَعَلَ الْمَاءَ عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ وَلَمْ يَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوبِنَا﴾ (۱۸)
(سب تعریف اللہ کے لئے جس نے اپنی رحمت سے پانی کو میٹھا اور خوشگوار بنایا اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے اسے نمکین اور کھارا نہیں بنایا) جب رات کو بستر پر کروٹ بدلتے تو کہتے تھے ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ، رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ﴾ (۱۹) (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اور قہار ہے، آسمان وزمین اوران کے درمیان کی چیزوں کا رب ہے اور غالب ومغفرت والا ہے) رات کو نیند سے بیدار ہوکر فرماتے تھے ﴿رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاهْدِ لِلسَّبِيْلِ الْاَقْوَمِ﴾ (۲۰) (اے رب مغفرت فرما اور رحم کر اور سیدھا راستہ دکھا)

قلبِ محمدی اللہ سے ہر عمل میں اور ہر وقت متعلق رہتا تھا اور عبادت وریاضت سے اُسے بہت شغف تھا، چنانچہ قیامِ لیل کے علاوہ دن کا بھی ایک حصہ آپ ﷺ عبادت میں گزارتے تھے اور نماز میں انہیں لذت اور آنکھوں کی ٹھنڈک ملتی تھی اور اصحاب کو اپنی تقلید سے روکتے تھے جو اُن کی طاقت سے زیادہ ہوتی تھی۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی عمل کو چاہتے ہوئے بھی اس ڈر سے چھوڑ دیتے تھے کہ کہیں وہ لوگوں پر فرض نہ ہو جائے۔ (۲۱) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو تین دن تک مسلسل (شب وروز) روزے رکھے اور وہ رمضان کے آخری دن تھے تو کچھ اور لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا جب آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ اگر مہینہ لمبا بھی ہو جاتا تو ہم ایسا ہی کرتے تب مبالغہ کرنے والے مبالغہ چھوڑ دیتے، میں تم جیسا نہیں ہوں مجھے تو میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے“۔ (میری مدد کرتا اور قوت دیتا ہے) (۲۲)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار مسجد میں

نماز پڑھی تو اور لوگوں نے بھی آپ ﷺ کی اقتدا کی پھر دوسری رات میں اور مجمع ہوا، پھر جب تیسری رات کو لوگ جمع ہوئے تو آپ ﷺ گھر سے نکلے ہی نہیں اور صبح کو فرمایا ''میں نے تمہارا عمل دیکھا اور میں ڈر سے نہیں نکلا کہ وہ تم پر فرض نہ ہو جائے''۔(۲۳)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں راتوں کو کھڑے ہوتے تھے تو ایک بار میں آپ ﷺ کی بغل میں کھڑا ہوا پھر دوسرا آدمی بھی آ کر کھڑا ہو گیا حتیٰ کہ ایک جماعت ہوگئی، جب آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ میں آپ ﷺ کے پیچھے ہوں تو آپ ﷺ نماز میں جلدی کرنے لگے پھر گھر جا کر ایسی نماز پڑھی جو ہمارے ساتھ نہیں پڑھی تھی، میں نے صبح کو عرض کیا کہ کیا رات آپ ﷺ نے ہماری موجودگی محسوس کر لی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! اسی بات نے مجھے ایسا کرنے پر آمادہ کیا۔(۲۴)

نفس محمدی اللہ سے متعلق تھا اور اُتنے کا متحمل تھا جتنے کے اور لوگ نہیں تھے اس لئے زیادہ محنت کا کام اکیلے کرنا چاہتے تھے، اور آپ ﷺ کے اصحاب اس کی اتباع کرنا چاہتے تو آپ ﷺ کو مبالغہ وغلو کا ڈر ہوتا تھا، عبادت میں آپ ﷺ کا کوئی مقابلہ نہ کر سکتا تھا، آپ ﷺ آسان دین لے کر آئے تھے جس میں حقائقِ زندگی کی رعایت تھی، اس لئے لوگوں کا ترکِ دنیا کر کے عبادت کرنا آپ ﷺ کو ناگوار تھا جب کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ﴾ (سورۂ قصص: ۷۷) (اللہ نے آپ ﷺ کو جو دیا ہے اس کے ذریعہ دارِ آخرت کو تلاش کیجئے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھولئے اور اچھا کام کیجئے جیسا کہ اللہ نے آپ ﷺ سے اچھا معاملہ کیا ہے)

ایک صحابی نے ایک سفر میں ایک غار دیکھا جس کے پاس پانی اور سبزہ تھا، چنانچہ وہ وہاں یکسو ہوکر عبادت کی خواہش کرنے لگے تو آپ ﷺ غصہ ہوئے اور ان سے کہا کہ وہ یہودیت ونصرانیت لے کر نہیں آئے بلکہ آسان اور سہل دینِ ابراہیمؑ لے کر آئے ہیں (۲۵) بعض صحابہ نے فطری رجحان یا رہبانیت کے اثر سے عبادت کے لئے اپنے کو فارغ کرنا چاہا تو آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور انہیں منع کر دیا۔ ایک صاحب نے عبادت کے خیال سے گوشت ترک کرنا چاہا تو انہیں بھی منع کیا (۲۶)، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ "ایک سفر میں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کچھ لوگ روزے سے تھے اور کچھ بے روزہ تھے تو آپ ﷺ اُس گرمی کے دن میں ایک جگہ اترے، کپڑے والے زیادہ سائے میں تھے اور ہم میں سے بعض اپنے ہاتھ سے دھوپ سے بچ رہے تھے، روزہ دار تو بے دم ہو گئے مگر بے روزہ لوگوں نے خیمے لگائے اور قافلے کو پانی پلایا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کا ثواب افطار والے یعنی غیر روزہ دار لوگ لے گئے"۔ (۲۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر واحکام میں اعتدال کا پہلو آپ ﷺ کے اصحاب کے ذہنوں میں بھی اتر گیا تھا اور وہ اپنے معلم اعظم ﷺ کا مقصد سمجھ گئے تھے اور اسے ایک دوسرے سے حاصل بھی کرتے تھے، ایک بار حضرت سلمان فارسیؓ حضرت ابوالدرداءؓ کے گھر گئے (جن کے درمیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں مواخات کرائی تھی) تو اُن کی بیوی کو میلے لباس میں دیکھا اور ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ تمہارے بھائی کو دنیا کی کوئی حاجت نہیں، اتنے میں حضرت ابوالدرداءؓ آئے اور ان کے لئے کھانا تیار کیا اور کھانے کو کہا اور کہا کہ میرا روزہ ہے، اس پر حضرت سلمانؓ نے کہا کہ جب تک تم بھی نہ کھاؤ میں نہیں کھاتا، یہ

کھنے پر انہوں نے کھایا، جب رات ہوئی تو ابوالدرداءؓ عبادت کے لئے جانے لگے اس پر حضرت سلمانؓ نے ان سے کہا کہ سو جاؤ تو وہ سو گئے، کچھ دیر بعد پھر اٹھنے لگے تو سلمانؓ نے انہیں سلا دیا جب اخیر رات ہوئی تو سلمانؓ نے ان سے کہا اب اٹھو! چنانچہ ان لوگوں نے نماز پڑھی پھر سلمانؓ نے انہیں نصیحت کی کہ تم پر تمہارے رب کا بھی حق ہے، تم پر تمہارے نفس کا بھی حق ہے اور تم پر تمہارے اہل وعیال کا بھی حق ہے، تو ہر صاحبِ حق کو اس کا حق ادا کرو، پھر ابوالدرداءؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا صَدَقَ سَلْمَانُ (سلمان نے سچ کہا)(۲۸)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ تین صحابی ازواجِ مطہراتؓ کے گھروں پر آئے اور ان سے آپ ﷺ کی عبادت کے بارے میں پوچھا اور جب انہیں بتایا گیا تو انہوں نے اسے کم سمجھا اور کہنے لگے کہ ہم کہاں اور نبی ﷺ کہاں؟ اُن کے اگلے پچھلے گناہ تو اللہ نے بخش دیئے تھے، پھر ایک صاحب بولے کہ میں تو ساری رات نماز پڑھوں گا، دوسرے صاحب نے کہا کہ میں تو ہمیشہ روزے رکھوں گا، تیسرے صاحب نے کہا کہ میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہ کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو وہ ان کے پاس آئے اور پوچھا ''کہ کیا تم نے ایسا ایسا کہا ہے؟ تو سنو کہ بخدا! میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے بڑھ کر تقویٰ والا ہوں مگر میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں تو جو میری سنت سے گریز کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے''۔(۲۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی توسط واعتدال پیدا کرنا چاہتے تھے اور اس بارے میں وہ تاریخ کے حیرت انگیز آدمی تھے، لوگوں کی بے اعتدالی کے خوف کے

باوجود آپ ﷺ زہد و عبادت کی بھی اعلیٰ مثال تھے جیسے کہ مردانگی اور دنیا کو برتنے کی بھی ایک عمدہ مثال تھے۔

اب میں آپ ﷺ کی عبادت کی ایک قسم دعا کا ذکر کرتا ہوں جس کے الفاظ بہت شیریں اور معانی بہت بلند ہوتے تھے، دعا کو آپ ﷺ نے عبادت بتایا ہے اور اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے کہ ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (سورۂ مؤمن: ٦٠) (تم دعا کرو میں قبول کروں گا) آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا پڑھیں اور اس میں کامل سپردگی اور عاجزی ملاحظہ کریں۔

﴿إِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، لَاشَرِيْكَ لَهُ، وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ، وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ، اللّٰهُمَّ اهْدِنِی لأَحسنِ الأَعْمَالِ، وَأَحسَنِ الأَخْلَاقِ، لَا يَهْدِیْ لأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ، وَقِنِی سَيِّئَ الأَعْمَالِ، وَسَيِّئَ الأَخْلَاقِ لَايَقِیْ سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ، اللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ، وَلَكَ أَسْلَمْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، أَنْتَ رَبِّیْ، خَشَعَ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَلَحْمِیْ وَدَمِیْ وَعَظْمِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ، وَمَا أَعْلَنْتُ، وَمَا أَسْرَفْتُ، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّیْ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ، وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَا اِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ﴾ (٣٠) (اے اللہ! میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا، مرنا سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور اسی کا مجھے حکم ہے اور میں مسلمانوں میں اول مسلم ہوں، اے اللہ! مجھے اچھے اخلاق واعمال کی توفیق دے جو تُو ہی دے سکتا ہے اور بُرے اخلاق واعمال سے مجھے بچا کہ ان سے تُو ہی بچا سکتا ہے، اے اللہ! میں تیری فرمانبرداری کرتا ہوں تجھ پر ایمان لاتا ہوں تیری اطاعت کرتا ہوں اور تجھ ہی پر

بھروسہ کرتا ہوں کہ تُو ہی میرا رب ہے۔

اللہ رب العالمین کے لئے میرا کان، میری آنکھ، میرا گوشت اور میرا خون، میری ہڈی عاجزی اختیار کرتی ہے، اے اللہ! بخش دے جو کچھ میں نے پہلے کیا یا آخر میں کیا، جو پوشیدہ کیا یا علانیہ کیا اور جو زیادتی کی اور جسے تُو مجھ سے بہتر جانتا ہے تُو لوگوں کو آگے اور پیچھے کرنے والا ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف عبادت وریاضت اور محبت واطاعت اور خدا شناسی واخلاص کے بلند ترین مقام پر تھے تو دوسری طرف ایک مثالی حکومت اور معاشرت کے قیام میں بھی کامیاب تھے اور ان کی شخصیت میں زندگی کے تمام اعلیٰ مقاصد جمع ہو گئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِن صفات کے آگے سب لوگ سرِ تسلیم خم کرتے ہیں، اور اعجازِ محمدی کے قائل ہیں، تاریخ کے کسی نمایاں فرد نے شب وروز کی عبادت اور دنیا کی مشغولیت کا بوجھ رسول اللہ ﷺ کی طرح نہیں اٹھایا کہ اپنی اور قوم کی خدمت بھی کی ہو، دشمنوں کا دفاع بھی کیا ہو اور ایک دائمی حکومت بھی قائم کی ہو۔

## مراجع ومصادر

(۱) البدایہ والنہایہ ج:۲ص/۲۶۳

(۲) شمائل ترمذی ج:۲ص/۲۰۴

(۳) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/ ۲۳۵

(۴) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/ ۲۴۶

(۵) صحیح بخاری ج:۱ص/۱۵۲

(۶) مسند احمد رقم الحدیث/۳۶۴۶

(۷) صحیح بخاری ج:۱ص/۱۵۲
(۸) ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۵۵۵ او صحیح مسلم ج:۱ص/۲٦۲
(۹) شعراء الرسول ﷺ ص/۴٦۳
(۱۰) الادب للبیہقی ص/۲٦۰ ۴ رقم الحدیث/۱۰۳۲
(۱۱) الادب للبیہقی ص/۲٦۰ ۴ رقم الحدیث:۱۰۳۲ (۱۲) ترمذی ج:۲ص/۱۹۰
(۱۳) مسند احمد رقم الحدیث:٦۹۱
(۱۴) ابوداؤد ج:۲ص/ ٦۸۸
(۱۵) ابوداؤد ج:۲ص/ ٦۸۸
(۱٦) ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۵۵۷
(۱۷) ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۲۸۳
(۱۸) کنز العمال ج:۷رقم الحدیث:۱۸۲۲٦
(۱۹) المستدرک للحاکم ج:۱حدیث:۵۴۰
(۲۰) مسند احمد رقم الحدیث:۲۷۲۲۰
(۲۱) مسند احمد رقم الحدیث:۲۴۵۵۷
(۲۲) مسند احمد رقم الحدیث:۱۳۱۰۱
(۲۳) مسند احمد رقم الحدیث:۲٦۴۸۱
(۲۴) مسند احمد رقم الحدیث:۱۳۰۴۳
(۲۵) ..............................
(۲٦) نسائی ج:۲ص/٦۹
(۲۷) صحیح مسلم ج:۱ص/۳۵٦
(۲۸) صحیح بخاری ج:۱ص/۲٦۴
(۲۹) صحیح بخاری ج:۲ص/ ۷۵۷
(۳۰) صحیح مسلم ج:۱ص/۲٦۳

۷

# عفو ودرگذر

اپنے تکلیف دینے والوں کو معاف کردینے کا طریقہ آپ ﷺ کو قرآن نے سکھایا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَامُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾ (سورۂ اعراف:۱۱۹) ''عفو اختیار کریں، نیکی کا حکم دیں، اور جاہلوں سے چشم پوشی کریں'' اور آپ ﷺ نے اپنے اس قول سے اس کی وضاحت کی کہ ''جو تم سے قطع تعلق کرے اس سے صلہ رحمی کرو جو تمہیں محروم کرے اسے عطا کرو اور جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کرو''۔(۱)

قدرت کے باوجود معاف کردینا ایسا آئینہ ہے جس میں نفسِ انسانی اور عالی ہمتی، جذبات سے بلندی اور مردانگی کی بہترین صورت نمایاں ہوتی ہے، تاریخِ انسانی میں آپ محمد ﷺ جیسا کوئی انسان نہیں پائیں گے جسے ایسی کامیابی ملی ہو اور وہ اپنے دشمنوں پر رحم وکرم کرے اور ان کے ظلم کو معاف کردے۔

مکہ اور طائف آپ ﷺ سے عداوت کے دو مرکز تھے جولات وعزّیٰ سے وفاداری میں مقابلہ کرتے تھے، مخالفت میں قریش سب سے بڑھے ہوئے تھے اور ثقیف شرک پر مائل تھے چنانچہ اِن دونوں شہروں میں آپ ﷺ کے بڑے بڑے مخالف پیدا ہوئے جن کے کچھ نام یہ ہیں، ابوجہل بن ہشام، عکرمہ اس کا لڑکا، امیہ بن خلف، اس کا لڑکا صفوان، عاص بن وائل سہمی، ولید بن المغیرہ، ابوسفیان بن

حرب، عمرو بن عمیر کے تینوں لڑکے، ابو مسعود ثقفی، مالک بن عوف یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی، تمسخر اور آپ ﷺ سے جنگ میں لذت پاتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے، میرے خیال میں اس ظلم و ستم کے چار ادوار تھے، ایذا کا پہلا دور ابولہب وغیرہ کے ذریعے شروع ہوا، جب صفا پر آپ ﷺ کی دعوت کا انکار کیا گیا، دوسرا دور صحیفۂ مقاطعہ سے شروع ہوا جو کعبہ پر لٹکایا گیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کے جرم میں بنی ہاشم کا مقاطعہ کیا گیا اور وہ شعبِ بنی ہاشم میں بھوک سے مرنے کے قریب ہو گئے، یہ میثاق بہت سخت تھا، اس مقدس میثاق نے آلِ محمد ﷺ کے ساتھ نکاح، بیع و شراء اور ہر طرح کا تعلق حرام کر دیا تھا، تیسرا دور وفاتِ ابو طالب سے شروع ہوا جو آپ ﷺ کے چچا اور حمایتی تھے آپ ﷺ کی زوجہ حضرت خدیجہؓ بھی وفات پا گئیں یہ دور آپ ﷺ کے لئے بہت سخت تھا اور دنیا آپ ﷺ پر تنگ ہو گئی، اگر ایمان اور نبوتِ صادقہ کا سہارا نہ ہوتا تو آپ ﷺ اپنی قوم سے مایوس ہو کر بھاگ کھڑے ہوتے، اس مرحلے میں آپ ﷺ تن تنہا طائف تشریف لے گئے (۲) (اگرچہ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہؓ بھی تھے) کہ اپنی قوم کے مقابلے میں ثقیف کی حمایت حاصل کریں مگر انہوں نے بھی آپ ﷺ کا سختی سے انکار کیا اور عمرو بن عمیر کے تینوں بیٹوں نے تمسخر کیا، ایک نے کہا، اگر اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو میں کعبۃ اللہ کا غلاف ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا، دوسرا بولا کیا آپ کے علاوہ اللہ کو رسالت کے لئے کوئی اور نہیں ملا تھا؟ تیسرے نے کہا کہ واللہ میں تو آپ سے بات بھی نہیں کروں گا اگر آپ بقولِ خود رسول ہیں تو آپ کا انکار خطرے سے خالی نہیں اور اگر آپ اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں تو میں ایسے سے بات نہیں

کرتا۔ اِس پر رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ تم نے جو کچھ کیا، کیا، اب اس واقعہ کو راز میں رکھو۔ کیونکہ مکہ واپسی پر ایذاؤں کا اندیشہ تھا مگر انہوں نے اس سے بھی انکار کردیا، اور اپنے آوارہ لڑکوں اور غلاموں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگادیا کہ آپ ﷺ کو گالی دیں اور بے عزت کریں، چنانچہ آپ ﷺ کو شہر سے نکال دیا اور تین میل تک آوارہ لڑکے اور لفنگے آپ ﷺ سے گستاخی کرتے اور آپ ﷺ کو پتھر سے مارتے رہے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے دونوں پاؤں خون آلود ہوگئے، جب آپ ﷺ بیٹھتے تو اُٹھادیتے اور چلنے پر مجبور کرتے، آخر آپ ﷺ نے عتبہ بن ربیعہ کے باغ میں پناہ لی اور کچھ اطمینان ہوا تو یہ دعا مانگی ﴿اللّٰهُمَّ اِلَيكَ اَشكُوْ ضَعفَ قُوَّتِى، وَقِلَّةَ حِيلَتِى، وَهَوانِى عَلىٰ النَّاسِ، يَا أَرحَمَ الرَّاحِمِينَ! أَنتَ رَبُّ الْمُستَضعَفِينَ، وَأَنتَ رَبِّى، اِلٰى مَنْ تَكِلُنِى؟ اِلىٰ بَعِيدٍ يَتَجَهَّمُنِى؟ اَمْ اِلىٰ عَدُوٍّ مَلَّكتَهُ أَمرِى؟ اِنْ لَمْ يَكُنْ بِكَ عَلَىَّ غَضَبٌ فَلَا أُبَالِى، وَلٰكِنَّ عَافِيَتَكَ هِىَ أَوسَعُ لِى، اَعُوذُ بِنُورِ وَجهِكَ الَّذِى أَشرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ، وَصَلُحَ عَلَيهِ أَمرُ الدُّنيَا وَالآخِرَةِ، مِنْ أَنْ تُنْزِلَ بِى غَضَبَكَ، أَوْ يَحِلَّ عَلَىَّ سَخَطُكَ، لَكَ الْعُتْبىٰ حَتّٰى تَرضىٰ، وَلَا حَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ﴾ (اے اللہ میں آپ سے اپنی کمزوری وبیکسی اور لوگوں میں بے وقعتی کی شکایت کرتا ہوں، یا ارحم الراحمین! آپ کمزوروں کے رب ہیں اور میرے بھی رب ہیں تو آپ مجھے کس کے حوالے کرر ہے ہیں؟ ایک اجنبی کے جو مجھ سے بیزار ہے، یا کسی غالب دشمن کے مجھے سپرد کرر ہے ہیں؟ اگر آپ مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کوئی پروا نہیں لیکن آپ کی عطا کردہ عافیت میرے لئے کشادگی ہوتی، میں آپ کے چہرۂ انور کی پناہ لیتا ہوں جس

سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اوراس سے دنیااورآخرت کے معاملات بہتر ہوجاتے ہیں، میں پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پرآپ کا غیظ وغضب نازل ہو،آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ آپ راضی ہوجائیں اورطاقت وقوت آپ ہی سے وابستہ ہے )(۳)

پھرمکہ تشریف لائے تومطعم بن عدی کی پناہ لینی پڑی،(۴) پھریہ مکی دورِایذا آپ ﷺ کے قتل کے منصوبے پرتمام ہوااورآپ ﷺ کے خون کاذمہ دارہرقبیلہ ٹھہرایا گیا تاکہ بنوعبدمناف خوں بہانہ طلب کرسکیں اس وجہ سے آپ ﷺ کومدینہ ہجرت کرنی پڑی اوراس طرح چوتھادورشروع ہوا۔

اس کے بعد اہل مکہ وطائف اور فتنہ پرور اور شر پسند لوگوں کے ساتھ آپ ﷺ کے معاملے پرنظرڈالیں جنہوں نے آپ ﷺ کوہرطرح ستایا تھااس سے آپ! رسول اللہ ﷺ کے عفوودرگذر کے آئینے میں آپ ﷺ کی عظیم شخصیت کو دیکھ سکیں گے۔آپ اُنہیں فاتح کی شکل میں دیکھیں کہ جزیرۃ العرب نے مکہ میں کبھی ایسی فوج نہیں دیکھی تھی،آپ ﷺ حنین وطائف کی طرف سے گزرتے ہیں تو ہوازن وثقیف کے چھ ہزارلوگ گرفتار ہوتے ہیں اور کچھ متکبر سردار مالک بن عوف اوریالیل بن عمروبن عمیرفرارہوجاتے ہیں۔

آپ ﷺ کوفتح مکہ کے موقع پردیکھئے کہ جب شہراُن کے سایۂ رحمت میں آیا تو سب کومعاف کردیااورزمین میں فساد برَپا کرنے والوں کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کیا گیا حالانکہ دوسرے مشاہیرِ عالَم ہوتے تو اُن کی گردن ماردیتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت ومروّت کی انتہائی بلندی پر فائز تھے، فاتح فوج کے مکہ پہنچنے سے پہلے ابوسفیان تین آدمیوں کے ساتھ اس کاجائزہ لینے نکلے توانہیں اندازہ ہوگیا کہ وہ اوران کی قوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامقابلہ نہیں کرسکتے،حضرت

عباسؓ نے انہیں رسول اللہ ﷺ کے خچر پر بٹھالیا اور وہ ان کے ساتھ رات کو چھاؤنی میں اپنے اور مکہ کے لئے امان حاصل کرنے گئے جب مسلمانوں کے کسی چولھے کے پاس سے گزرتے تو وہ کہتے کہ یہ نبی ﷺ کے چچا ان کے خچر پر سوار ہیں جب حضرت عمرؓ کی آگ کے پاس آئے تو انہوں نے پوچھا کہ دوسرا کون ہے؟ پھر ابوسفیان کو پہچان کر کہنے لگے کہ دشمنِ خدا ابوسفیان ہے، خدا کا شکر ہے کہ بغیر عہد و معاہدہ کے اس نے تمہیں ہمارے قبضے میں دے دیا پھر جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کہنے لگے کہ مجھے اس کی گردن مارنے کی اجازت دیں کہ اللہ نے اسے بغیر معاہدہ کے ہمارے قابو میں کر دیا ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ابوسفیان حضرت عباسؓ کے قافلے میں رات گزاریں صبح کو وہ لائے گئے تو وہ اسلام لے آئے اور معاف کر دیئے گئے، حضرت عباسؓ نے ان کی سفارش کی کہ ابوسفیان فخر کے عادی ہیں ان کے لئے کوئی امتیاز عطا کیجئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اسے امان ہے، جو اپنا دروازہ بند کر لے وہ امان میں ہے، جو مسجد حرام میں داخل ہو وہ آمن ہے پھر ابوسفیان جلدی سے مکہ آئے اور فوج کو بڑھتے دیکھ کر کہتے تھے کہ واللہ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، پھر قوم کے پاس آکر بلند آواز سے کہا کہ اے قریش! محمد ﷺ ایسی فوج کے ساتھ آئے ہیں جس کا تمہیں کبھی سابقہ نہ پڑا تھا، اس لئے جو ابوسفیان کے گھر میں آجائے گا تو اسے امن حاصل ہوگا، اس پر وہ کہنے لگے کہ اللہ تمہیں اور تمہارے گھر کو ہلاک کرے، ان کی زوجہ ہند بنت عتبہ نے (جس نے جنگ اُحد میں حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا) ان کی مونچھ پکڑ کر کہنے لگی اسے مار ڈالو یہ بُرا سردار ہے، ابوسفیان بولے کہ تم دھوکے میں نہ رہو کہ محمد ﷺ نا قابل تسخیر فوج کے ساتھ آئے ہیں جو مسجد میں داخل ہو جائے گا اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اسے امان ملے

گی۔(۵) اِس سے بڑھ کر رحم وکرم کا نمونہ کیا ہوگا، ابوسفیان! جس نے طرح طرح کی ایذا رسانی کی تھی، اُحُدُ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جگر زخمی کیا تھا، جس نے خندق میں مسلمانوں کا شدید محاصرہ کیا تھا، جو عبد مناف کا عاق شدہ لڑکا تھا، جس نے بنی ہاشم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں بنومخزوم اور بنوسہیم کی مدد کی، ایسے شخص کو بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم معاف کردیتے ہیں اور اس کے فخر کا سامان بھی کرتے ہیں، وہاں صرف جان بچنے کی امید تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں زندگی کے ساتھ عزت بھی دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور ان کے کچھ ساتھیوں نے لڑائی کی اور ہار کر فرار ہوگئے پھر امن مانگا تو انہیں امن دیا گیا بلکہ معاف کردیئے گئے اور تالیفِ قلب کے لئے انہیں ہوازن کا مالِ غنیمت بھی دیا گیا۔(٦)

یہاں عفو کی ایک مثال دیکھئے جو شاید انسانی تاریخ میں آپ کو کہیں نہ ملے، صفوان بن امیہ جو دشمن اور دشمن کا لڑکا تھا جدہ بھاگ جاتا ہے، تاکہ سمندر کے ذریعے یمن چلا جائے، اِس درمیان عُمیر بن وہب رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ کے نبی! قوم کا سردار صفوان بن امیہ آپ ﷺ سے بھاگ کر سمندر میں جان دینا چاہتا ہے تو آپ ﷺ اسے امن دیدیں آپَ ﷺ نے فرمایا اسے امن دیا گیا وہ کہنے لگے کہ اپنے امان کی کوئی نشانی بھی دیدیجئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عمامہ اتار کر دیدیا جسے پہن کر مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ عمیر صفوان سے ملے تو وہ سمندر میں سوار ہورہا تھا، انہوں نے صفوان کو آواز دے کر کہا کہ اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امان تمہارے لئے لایا ہوں، صفوان نے کہا کہ

مجھے ان سے اپنی جان کا خطرہ ہے، عمیر نے کہا کہ وہ بڑے حلیم وکریم ہیں، چنانچہ ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، تو صفوان نے پوچھا کہ یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے امان دی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ صحیح کہہ رہے ہیں وہ کہنے لگے کہ مجھے دو ماہ کی مہلت دیجئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں چار ماہ کا اختیار ہے۔(۷)

دشمن اور دشمن کا بیٹا صفوان بن امیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف معافی ہی نہیں پاتا ہے بلکہ جب وہ پریشانی میں سمندر کا رخ کرتا ہے تو آپ ﷺ اُسے اپنا وہ عمامہ بھیج دیتے ہیں جو فتح مکہ کے وقت آپ ﷺ کے زیبِ سر تھا، پھر وہ اسلام اور شرک میں انتخاب کے لئے دو ماہ کی مہلت مانگتا ہے تو اسے چار ماہ کی مہلت دے دی جاتی ہے تا کہ اسے مجبوری وذلت کا احساس نہ ہو، تو کیا تاریخِ بشری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت کے باوجود معافی کی اِس سے بہتر کوئی مثال مل سکتی ہے۔

پھر فتح مکہ سے کچھ پہلے آپ ﷺ کے پاس ایک آدمی آتا ہے جو ہجو اور ایذائے رسول ﷺ میں مبتلا تھا، اس کا نام ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب ہے وہ اجازت مانگتا ہے تو رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں اس نے میری عزت سے کھیل کیا ہے، اس کے ساتھ اس کا لڑکا بھی تھا جس کا حوالہ دے کر وہ کہنے لگا کہ واللہ وہ مجھے اجازت دیں ورنہ میں اپنے لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں چلا جاؤں گا اور بھوک پیاس سے مرجاؤں گا، رسول اللہ ﷺ تک بات پہنچی تو آپ ﷺ نے اسے اجازت دی اور وہ داخل ہوا پھر اسے معاف بھی کردیا اس پر اس نے یہ شعر کہے

لَعَمْرُكَ اِنِّی یوم أحْمِلُ رَایَةً
لِتَغْلِبَ خَیْلُ اللاَّتِ خَیْلَ مُحَمَّد

لَـكَـا لُـمُـدُلِـجِ الـحَيُـرانِ أَظُـلَـمَ لَيُـلُـهُ
فَهٰـذَا اَوَانِـيَ حِيُـنَ أَهُـدِيُ وَأَهُـتَـدِي (۸)

(تمہاری قسم میں جس دن جھنڈا اٹھائے تھا تاکہ لات کی فوج محمد ﷺ کی فوج پر غالب آجائے تو اُس دن اُس حیران مسافر کی طرح تھا، جس کی رات تاریک ہو اور اب تو میں ہدایت دیتا بھی ہوں اور ہدایت یافتہ بھی ہوں)

مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ ایک بار طواف کر رہے تھے تو فضالہ بن عمیر آپ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے آپ ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ نے اس کا نام لے کر تصدیق چاہی تو وہ بولا ہاں اے رسول اللہ میں فضالہ ہوں، آپ ﷺ نے پوچھا تم اپنے جی میں کیا سوچ رہے تھے؟ اس نے کہا کچھ نہیں میں تو اللہ عزّ وجل کو یاد کر رہا تھا یہ سن کر نبی ﷺ ہنس پڑے، پھر فرمایا اللہ سے توبہ کرو اور اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھا جس سے اس کے دل کو سکون ہوا، فضالہ کہتے ہیں کہ واللہ میرے سینے سے آپ ﷺ کے ہاتھ اٹھاتے ہی خلقِ خدا میں اُن سے زیادہ میرا محبوب کوئی نہ تھا، (۹) آپ کے سامنے اُس آدمی کو معاف کرنے کی مثال دی جا رہی ہے جس نے آپ ﷺ کو رُلایا اور مسلمانوں کو ستایا وہ ایک حبشی غلام تھا جس کا نام وحشی تھا اور جو حضرت حمزہؓ کا قاتل تھا، وہ کہتے ہیں کہ میں فتحِ مکہ و طائف کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا اور کلمۂ شہادت پڑھ رہا تھا، آپ ﷺ نے مجھے دیکھا تو پوچھا کہ کیا تم وحشی ہو؟ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ اور مجھے بتاؤ کہ حمزہؓ کو تم نے کیسے قتل کیا؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے بتایا اور بتانے کے بعد آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تمہارا بُرا ہو اپنا چہرہ مجھ سے دور رکھو کہ میں تمہیں دیکھنا نہیں چاہتا۔ وحشی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جہاں ہوتے تو میں کترا کے نکلتا تاکہ

آپ ﷺ مجھے نہ دیکھیں حتیٰ کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی۔(۱۰)

یہاں ضبطِ نفس اور عفوودرگذر اپنی بہترین صورت میں نظر آرہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کو دیکھنا نہیں چاہتے جو اُن کے چچا کا قاتل ہے جو ایک اجنبی غلام ہے مگر آپ ﷺ اُسے بھی معاف کردیتے ہیں، حالانکہ عام مسلمان اُسی طرح اُس کا خون بہتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے جیسے کہ انہوں نے حضرت حمزہؓ کی زخمی آنتیں دیکھی تھیں جنہیں وحشی نے اپنے نیزے سے شہید کیا تھا، فتحِ مکہ کے بعد جب اطمینان ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے بابِ کعبہ پر کھڑے ہوکر فرمایا!''ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کا کوئی شریک ہے، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی، اور اکیلے تمام لشکروں کو شکست دی، آگاہ ہو کہ تمام پرانے قضیے، جان ومال کے معاملات جن کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ میرے دونوں قدموں تلے پامال ہوئے سوا خانہ کعبہ کی حفاظت وآب رسانی کے، اے قبیلۂ قریش! اللہ نے تمہاری جاہلی نخوت اور آبائی تفاخر ختم کردیا، سب لوگ اولادِ آدم ہیں اور آدمؑ مٹی کے بنے تھے''۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (سورۂ حجرات:۱۳) (اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد وعورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں بانٹا کہ باہم پہچانو، تم میں اللہ کے نزدیک معزز تمہارا متقی شخص ہے) پھر پوچھا کہ اے قبیلۂ قریش تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟ وہ بولے کہ اچھا خیال ہے، آپ ﷺ ہمارے شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں اس پر آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ تم سب آزاد ہو۔

رسول اللہ ﷺ خطبہ دے کر بیٹھے تو حضرت علیؓ کعبہ کی کنجی لے کر ان کے

پاس آئے اور کہنے لگے کہ یارسول اللہ کعبہ کی نگرانی بھی آب رسانی کے ساتھ ہمیں دیجیے (کہ حجابت غیرِ بنی ہاشم میں تھی) مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟ جب وہ آئے تو آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ عثمان! یہ تمہاری کنجی ہے، آج نیکی اور وفا کا دن ہے، (۱۱) مدینہ میں آپ ﷺ کے پاس ثقیف کا وفد حاضر تھا جو بے وقعت ہو چکا تھا، اُس وفد میں یالیل بن عمرو بن عمیر بھی تھا جس نے طائف سے آپ ﷺ کو بھگایا تھا، مالک بن عوف کو معافی مل چکی تھی، اُسے اس کا مال اور اولاد واپس کی اور سو اونٹ دیئے، اور قبیلۂ ثقیف عفو و امان کے ساتھ واپس ہوا (۱۲) فرصت ہوتی تو آپ ہوازن کا قصہ بھی سنتے کہ اسکے قیدیوں کو رسول اللہ ﷺ نے کس طرح واپس کیا اور انہیں اپنے اصحاب سے قرض لے کر اپنے اُن دشمنوں کے سپرد کر دیا جو یوم حنین میں اسلام کا خاتمہ کر دینا چاہ رہے تھے۔

آپ ہر قبیلہ اور ہر شہر کے ساتھ آپ ﷺ کے حسنِ سلوک کی مثالیں دیکھیں تو آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعلیٰ مثال اور اسوۂ حسنہ کے طور پر نظر آئیں گے۔ ❁❁❁

## مراجع و مصادر

(۱) رواہ الطبرانی فی الاوسط
(۲) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/ ۴۲۰-۴۱۹
(۳) البدایہ والنہایہ ج:۲ص/ ۱۴۸
(۴) البدایہ والنہایہ ج:۲ص/ ۱۴۹
(۵) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/ ۴۰۵-۴۰۲
(۶) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/ ۴۹۳-۴۹۲
(۷) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/ ۴۱۸-۴۱۷
(۸) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/ ۴۰۱-۴۰۰
(۹) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/ ۴۱۷
(۱۰) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/ ۴۷
(۱۱) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/ ۴۱۲
(۱۲) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/ ۵۳۹

# ۸

# رحم وکرم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو رحم وکرم بھی تھا جس میں آپ ﷺ کا کوئی مقابل نہیں چنانچہ فقر وغنا، ضعف وقوت ہر حال میں نیکی آپ ﷺ کے پیش نظر رہی اور رحمت آپ ﷺ کا احاطہ کئے رہی۔

آپ ﷺ کا ارشاد تھا کہ ''نیکی جنت کو لے جاتی ہے'' (۱) ''تم اہل زمین پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا'' ''اللہ اُس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا'' ''رحم کرنے والوں پر اللہ بھی رحم کرتا ہے'' ''رحمت بد بخت ہی سے چھینی جاتی ہے''۔ (۲)

قرآن نے آپ ﷺ کی یہ صفت بیان کی ہے ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَحِيمٌ﴾ (سورۂ توبہ:۱۲۸) (تمہارے پاس تم میں سے ایک رسول آئے ہیں تمہاری پریشانی اُن پر گراں گزرتی ہے وہ تمہارے خیر خواہ ہیں اور مؤمنین پر مہربان اور رحم کرنے والے ہیں)

آپ ﷺ کی رحمت سب کے لئے عام تھی اور آپ ﷺ کی نیکی مؤمنین اور مشرکین سب تک پہنچتی تھی، اور فقراء وضعفاء تو آپ ﷺ کے قلب مبارک اور آپ ﷺ کی توجہ سے بہت قریب رہتے تھے، فقراء سے آپ ﷺ کو اتنی محبت تھی

کہ ان کے ساتھ جینے مرنے کی دعا کرتے تھے، حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کی دعا نقل کرتی ہیں کہ ﴿اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْناً وَاَمِتْنِیْ مِسْکِیْناً وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ﴾ (اے اللہ مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ، اور مسکینی میں موت دے اور میرا حشر مساکین کے ساتھ کر) اس پر حضرت عائشہؓ نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ''وہ اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے، عائشہؓ! تُو مسکین کو کھجور کا ٹکڑا ہی دے مگر اسے واپس نہ کر، اے عائشہؓ مساکین سے محبت کر اور ان کو قریب رکھ، تجھے اللہ قیامت میں قریب رکھے گا''۔ (۳)

آپ ﷺ کی زندگی فقراء کے ساتھ تھی، اور آپ ﷺ کے گھر اور آپ ﷺ کے پاس جو کچھ تھا وہ انہیں کے لئے تھا، ان سے آپ ﷺ کو اتنی محبت تھی کہ ایک بار ایک شخص کو دیکھ کر ایک صاحب سے آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ آدمی اشراف میں سے ہے وہ اس لائق ہے کہ اگر نکاح کا پیغام دے تو اسے قبول کیا جائے اور سفارش کرے تو وہ مانی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اتنے میں ایک غریب آدمی گزرا تو اس کے بارے میں رائے پوچھی تو وہ کہنے لگے ایک مسلمان فقیر ہے، جس سے کوئی نہ نکاح کرے گا نہ کوئی اس کی سفارش مانے گا اور نہ اس کی کوئی بات سنے گا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''یہ ایک اُن جیسوں سے بھری دنیا سے بہتر ہے''۔ (۴)

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی فطرت میں رحم وکرم کا جو جذبہ رکھا تھا اس کے ذریعے آپ ﷺ نے فقیر وکمزور لوگوں کی مدد کی اور اس طبقہ کو نوازا اور چند برسوں

میں اپنے معاشرتی نظام کو بدل دیا اور فقراء ومساکین کی ایک امت کھڑی کردی جس کے آگے مشرق ومغرب سرنگوں ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا تھا کہ ''تم مجھے اپنے کمزوروں میں تلاش کرو، تم اپنے ضعفاء کی بدولت رزق دیئے جاتے اور مدد کئے جاتے ہو''۔(۵) غرباء کو اپنے پاس دیکھ کر آپ ﷺ خوش ہوتے تھے، ایک بار آپ ﷺ نے گفتگو میں اغنیاء کو ترجیح دی تو قرآن میں تنبیہ نازل ہوئی کہ (٦) ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰى أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمٰى، وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكّٰى، أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى، أَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى، فَأَنْتَ لَهُ تَصَدّٰى، وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكّٰى وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعٰى وَهُوَ يَخْشٰى فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى﴾ (سورۂ عبس:۱-۱۰) (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم چیں بجبیں ہو گئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا اور آپ ﷺ کو کیا خبر شاید نابینا (آپ ﷺ کی تعلیم سے پورے طور پر) سنور جاتا، یا (کسی خاص امر میں) نصیحت قبول کرتا تو اس کو نصیحت کرنا (کچھ نہ کچھ) فائدہ پہونچاتا تو جو شخص (دین سے) بے پروائی کرتا ہے آپ ﷺ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں، حالانکہ آپ ﷺ پر کوئی الزام نہیں ہے کہ وہ نہ سنورے، اور جو شخص آپ ﷺ کے پاس (دین کے شوق میں) دوڑا ہوا آتا ہے اور وہ (خدا سے) ڈرتا ہے آپ اُس سے بے اعتنائی کرتے ہیں)

قریش، مسکینوں کے ساتھ آپ ﷺ کی گرم جوشی اور ان کو حرم میں لے جانے سے ناراض رہتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم میں سے اللہ نے انہیں پر احسان کیا ہے، مگر آپ ﷺ غرباء ومساکین پر ہمیشہ مہربان رہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں

داخل ہوئے اور فقراء کے ساتھ بیٹھ گئے اور انہیں جنت کی بشارت دی تو ان کے چہرے کھل اٹھے، میں یہ دیکھ کر رنجیدہ ہوا کہ میں اُن میں نہ تھا۔ (۷)

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کسی مسکین کو ذلیل کرتے دیکھا تو ان سے کہا کہ جو نیکی اور مدد ان کو حاصل ہوگی وہ انہیں فقراء کا اثر ہوگی اور وہ ان مساکین کے ممنون ہوں گے (۸) اور یہ بات اُس وقت ثابت ہوگئی جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ اِن غرباء وفقراء کے ساتھ قادسیہ پر حملہ آور ہوئے اور وہاں رستم کو شکست دی اور کسریٰ کے ملک کو فتح کیا جس کی رعایا میں عرب بھی رہ چکے تھے۔ فقراء ومساکین سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تعلق ان کے مرنے کے بعد تک رہتا تھا چنانچہ بخاری کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ایک کالے آدمی کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ اس کا انتقال ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟ تو لوگ اس کی برائی کرنے لگے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس کی قبر بتاؤ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں جا کر اس کے لئے دعائے خیر کی۔ (۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلاموں کی آزادی اور عزت افزائی کے لئے برابر کوشاں رہے اور اس کے لئے مال اور اپنا اثر استعمال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر اُن پر رحم وکرم کا بڑا جذبہ تھا اس کی عمدہ مثال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی ہے جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کے والد کے ساتھ رہنے کا اختیار دیا گیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا (۱۰) جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس طاقت بھی نہ تھی اور قریش کی اذیت واستہزا کا شکار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن آزاد کردہ غلام کو غزوۂ روم کے موقع پر انصار ومہاجرین کا قائد بنایا چنانچہ غزوۂ مُوتہ میں وہ شہید ہوئے (۱۱) پھر فتح مکہ کے بعد غزوۂ روم کے لئے ایک نوجوان کو قائد بنایا جو حضرت

اسامہ بن زیدؓ تھے وہ ابھی بیس سال کے تھے مگر اکابر صحابہ اور اشراف قریش اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی فوج میں تھے (۱۲) آپ ﷺ نے اپنی رحمت واحسان سے کس طرح غلاموں کی حیثیت بلند کی اس کا اندازہ آپ ﷺ کے اس قول سے ہوگا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''بُرا مالک جنت میں داخل نہ ہوگا''۔(۱۳) ''اچھا مالک ہونا نیک بختی اور برا مالک ہونا بدبختی ہے''۔(۱۴)

آپ ﷺ اپنے خادموں اور ملازموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے پاس کھانا لے آئے تو اگر ساتھ نہ بیٹھے تو کم از کم لقمہ دو لقمہ اس کو بھی کھلائے''۔(۱۵)

حضرت معاویہ بن سویدؓ کہتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہم بنی مقرن کے پاس ایک ہی خادمہ تھی جس کو ہم میں سے کسی نے مارا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو انہوں نے ان سے کہا کہ اسے آزاد کردو تو لوگوں نے بتایا کہ ان کے پاس صرف وہی خادمہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک کام ہے تو اس سے کام لیں ورنہ اسے آزاد کردیں''۔(۱۶)

حضرت ابو مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نے کوڑے سے اپنے غلام کو مارا تو پیچھے سے ایک آواز سنی، مڑ کر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ''ابو مسعود! یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے اِس غلام پر قدرت سے زیادہ قادر ہے''۔(۱۷)

غلاموں پر آپ ﷺ کے رحم کا یہ حال تھا کہ کسی کو میرا غلام یا میری باندی بھی کہتے نہیں سننا چاہتے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اس سے منع کر کے لڑکا یا

لڑکی جیسے الفاظ کہنے کی تعلیم دی۔ (۱۸)

آپ ﷺ کی اِس تربیت کا غلاموں کی آزادی ومساوات اور عصبیت، فخر وغرور کے بجائے اخوت کی روح پیدا کرنے میں بڑا ہاتھ تھا۔

حضرت معرور بن سُویدؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذرؓ اور ان کے غلام کو یکساں حُلّہ (جوڑا) پہنے دیکھا تو میں نے ان سے پوچھا تو وہ بتانے لگے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ''غلام تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے ماتحت کردیا ہے تو جس کے پاس غلام بھائی ہو تو جو کھائے اس کو کھلائے اور جو پہنے اسے بھی پہنائے اور ان کی سکت سے زیادہ اُن سے کام نہ لے، اور اگر لے تو ان کی مدد کرے''۔ (۱۹) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دس سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی مگر آپ ﷺ نے مجھے کبھی اُف بھی نہیں کہا۔ (۲۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غرباء ومساکین، خادموں اور غلاموں سے خلا ملا رکھتے تھے، ان کی دعوت قبول کرتے، ان کے مریضوں کی عیادت کرتے، اور ان کے جنازے میں شرکت کرتے اور نماز پڑھتے تھے، خود شریعتِ محمدیہ نے بیت المال میں غلاموں کی آزادی کا حصہ بھی رکھا ہے، آپ ﷺ غلام کو آزاد کرنے کے بعد اس کی مالی مدد بھی کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا رحم وکرم صرف انسانوں تک محدود رکھنے والے نہ تھے، اُس بے پایاں رحمت نے حیوانوں کے ساتھ رحم اور نرمی کرنے کے لئے بھی آپ ﷺ کو کوشش پر آمادہ کیا اور آپ ﷺ نے اس بارے میں عربوں کی بری عادتوں کو چھڑایا، وہ زندہ جانور کا گوشت کاٹ بھون کر کھالیتے تھے جسے آپ ﷺ نے

حرام قرار دیا (۲۱) اگرچہ صحرائے کبریٰ کے بعض قبائل مسلمان ہونے کے باوجود ایسا کرتے ہیں کہ اگر جنگ میں ہوں اور گھر سے دور ہوں تو اونٹ کا خون نکال کر اور اسے پکا کر کھا لیتے ہیں یا اس کے کوہان کو چاک کر کے چربی نکال لیتے اور پھر اس کو سِل دیتے ہیں۔

اِسی طرح دیہاتوں میں شناخت کے لئے حیوانوں کو گوندنے کا رواج تھا جس سے آپ ﷺ نے منع کیا اور کم حساس جگہ پر کم سے کم نشان لگانے کی اجازت دی، عرب لوگ جانوروں کو تیراندازی کا ہدف بھی بناتے تھے جس سے آپ ﷺ نے منع کیا (۲۲) گھوڑوں کی دُم کاٹنے کی بھی ممانعت کی (۲۳) ایک بار آپ ﷺ کا گزر ایک بندھی ہوئی بھوکی اونٹنی پر ہوا تو آپ ﷺ نے اسے کھول دیا اور لوگوں کو جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کی تاکید کی۔ (۲۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک آدمی کو راستے میں پیاس لگی تو اسے ایک کنواں ملا جس میں اتر کر اس نے پانی پیا اور اور نکل آیا وہاں ایک کتے کو پیاس سے ہانپتے اور کائی چاٹتے دیکھا اُس نے سوچا کہ یہ کتا بھی میری طرح پیاسا ہے چنانچہ کنویں میں اترا اور اپنے موزے میں پانی بھر کر اور اسے منہ سے پکڑ کر باہر آیا اور کتے کو پلایا تو اللہ کو اس کی یہ ادا پسند آئی اور اس کی مغفرت کردی (۲۵) لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! کیا ہمیں بہائم کے لئے بھی ثواب ملے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر زندہ جگر کو نفع پہنچانا باعثِ اجر ہے (۲۶) اور فرمایا کہ ایک عورت اِس بات پر جہنم میں گئی کہ اس نے ایک بلی کو باندھے رکھا اور اُسے کھلایا نہیں اور اُسے زمین کی چیزوں کو کھانے کے لئے چھوڑا بھی نہیں۔ (۲۷)

آنحضرت ﷺ نے یہ مثالیں اُس قوم کو بتائیں جو حیوانات پر رحم کرنے کو

کارِثواب نہیں جانتے تھے، اِس تعلیم سے مسلمانوں کے اندر حیوانوں پر رحم کا جذبہ پیدا ہوا اور مشرق و مغرب نے پھر اُن سے سیکھا، ایک جاہلی عادت تھی کہ جانوروں کی پشت کو منبر بناتے تھے، آپ ﷺ نے اس سے منع کیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس لئے اُنہیں تمہارے تابع کیا ہے کہ وہ تمہیں دور کے مقامات پر پہنچا دیں جہاں تم مشکل سے پہنچتے اور تمہارے لئے زمین بھی بنائی جس سے تم اپنی حاجت پوری کرو۔ (۲۸)

آپ ﷺ کے رحم کا ایک واقعہ جس میں آپ ﷺ کو ایک گوریّا پر ترس آیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ ہم نے حُمرّہ نام کی چڑیا اور اس کے دو بچے دیکھے جنہیں ہم نے پکڑ لیا تو وہ چڑیا ہمارے پاس آکر پھڑ پھڑانے لگی پھر رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو پوچھا کہ اس کا بچہ لے کر اسے کس نے ستایا؟ اس کا بچہ واپس کردو۔ (۲۹)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو سواری کے اونٹ پر سختی کرتے دیکھ کر فرمایا ''جو نرم دلی سے محروم ہوا وہ گویا تمام امورِ خیر سے محروم ہوا''۔ (۳۰)

یہ رحمت و شفقت اُس وقت آپ ﷺ کے چہرۂ انور سے جھلکتی تھی جب آپ ﷺ کسی بچے کو دیکھتے آپ ﷺ اپنے اصحاب کے بچوں کو گود لیتے اور خوش ہوتے تھے، اور بچوں پر آپ ﷺ کا گزر ہوتا تو انہیں سلام کرتے (۳۱) حضرت جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک بار بچوں کو دوڑ کا مقابلہ کرتے دیکھا تو آپ ﷺ بھی ان میں شامل ہو گئے (۳۲) راستے میں کسی بچے کو دیکھتے تو اسے خوش کرنے کے لئے اپنی اونٹنی پر بٹھا لیتے، اس طرح آپ ﷺ ایک شفیق اور رحم دل والد بھی تھے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے

زیادہ شفیق باپ میں نے نہیں دیکھا۔ (۳۳)

حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مجھے اپنی دائیں ران پر اور حضرت حسنؓ کو اپنی بائیں ران پر بٹھا لیتے تھے پھر دونوں کو گود میں لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے اللہ! دونوں پر رحم کر کہ ان پر مجھے بھی رحم آتا ہے (۳۴) بعض لوگ رسول اللہ ﷺ کو اپنے یا اصحاب کے بچوں کو چومتے دیکھ کر تعجب کرتے تھے، ایک بار حضرت اقرع بن حابسؓ نے آپ ﷺ کو حضرت حسینؓ کو چومتے دیکھا تو کہا کہ میرے تو دس بچے ہیں مگر میں نے انہیں کبھی نہیں چوما اور اس غیر معمولی شفقت پر تعجب کیا تو آپ ﷺ نے سخت دل ہونے سے روکا (۳۵) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک اعرابی آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ آپ ﷺ بچوں کو چومتے ہیں، ہم تو نہیں چومتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ نے تمہارے دل سے رحم نکال دیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ (۳۶)

آپ ﷺ کی محبت کبھی خوشی کی شکل میں ظاہر ہوتی اور کبھی آنسوؤں میں ظاہر ہوتی تھی اور جب سنگدل لوگ اس پر حیرت کرتے تو آپ ﷺ انہیں سمجھاتے کہ یہ رحم کا جذبہ ہے اور اس میں کوئی عیب نہیں۔

آپ ﷺ کے ایک نواسے کا انتقال ہو رہا تھا تو انہیں آپ کے سامنے لایا گیا تو اُن کی سانس اُکھڑ رہی تھی اور وہ سوکھے مشکیزہ کی طرح ہو رہے تھے تو آپ ﷺ کے آنسو نکل آئے، اس پر حضرت سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی رحمت ہے جسے اُس نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے۔ اور اللہ اپنے رحیم بندوں ہی پر رحم کرتا ہے (۳۷) خود حضرت سعدؓ ایک بار بیمار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ ان کی عیادت کے لئے گئے تو اُنہیں ان کے عزیزوں کے

درمیان دیکھ کر پوچھا کہ کیا انتقال ہوگیا؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! تو آپ ﷺ رونے لگے اور فرمایا کہ اللہ آنکھ کے آنسو اور دل کے غم پر عذاب نہیں دیتا بلکہ اِس پر دیتا ہے اور اپنی زبانِ مبارک کی طرف اشارہ کیا۔ (۳۸)

چھوٹے بڑوں پر آپ ﷺ کی شفقت صرف مؤمنین تک نہیں تھی بلکہ مشرکین اور دوسرے مذہب کے مخالفین کے لئے بھی تھی، ایک جنگ کے بعد آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ ایک بچہ بھی مارا گیا تو آپ ﷺ بہت مغموم ہوئے اس پر کسی نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ مشرکین کے بچوں پر بھی غم کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ تم سے بہتر ہیں، وہ فطرت پر ہیں تو خبردار بچوں کو قتل نہ کرنا۔ (۳۹)

بخاری میں ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ ایک جنازہ گزرا تو رسول اللہ ﷺ اس کے لئے کھڑے ہوگئے اور ہم بھی کھڑے ہوگئے پھر ہم نے کہا کہ یا رسول اللہ! وہ یہودی کا جنازہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا وہ انسان نہیں تھا؟ (۴۰) جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ، نجاشی شاہ حبشہ کی وفات کی خبر آپ ﷺ نے اصحاب کو دی اور لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے اُن کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ (۴۱)

آپ ﷺ کی رحمت، دین و وطن اور انسان و حیوان کسی کے لئے محدود و مخصوص نہ تھی بلکہ سب کے لئے عام تھی، ایک بار آپ ﷺ سے اپنے دشمنوں پر لعنت کے لئے کہا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں لعنت کے لئے نہیں، رحمت کیلئے بھیجا گیا ہوں۔ (۴۲) مدینہ میں زعیم المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول کا (جس نے غزوۂ احد کے موقع پر آپ ﷺ کا ساتھ چھوڑا اور آپ ﷺ سے اور مسلمانوں سے جس کی منافقت مشہور تھی) جب انتقال ہوا تو اس کے بیٹے عبد اللہؓ

نے (جو ایک مخلص اور جانثار صحابی تھے) اس کے کفن اور اس کی نجات کے لئے آپ ﷺ کا کرتا مانگا چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا کرتا دیدیا پھر اس کی قبر پر نماز کے ارادے سے تشریف لے گئے (۴۳) تو حضرت عمر بن الخطابؓ دوڑ پڑے اور کہنے لگے کہ یارسول اللہ! آپ ابنِ اُبی کی نماز پڑھیں گے جس نے ایسا ایسا کیا تھا؟ تو رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور مجھ کو ہٹانے لگے، حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ جب میں نے اپنی بات پر اصرار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اختیار دیا گیا تھا تو میں نے یہی پسند کیا اور اگر مجھے علم ہو کہ ستر بار سے زائد استغفار سے اس کی مغفرت ہوگی تو میں یہ بھی کروں، اس کے بعد آپ ﷺ واپس ہوئے، آپ ﷺ کے ارشاد میں اللہ تعالیٰ کے اِس ارشاد کی طرف اشارہ تھا ﴿اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ﴾ (سورۂ توبہ:۸۰) آپ ﷺ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں بلکہ اگر ستر بار بھی کریں تو اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا) (۴۴)

گویا اِس اختیار میں آپ ﷺ کی رحم دلی دشمنوں کے لئے استغفار ہی کی طرف مائل رہی بلکہ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اگر مجھے علم ہوتا کہ ستر بار سے زیادہ استغفار پر اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں ایسا ہی کرتا۔

آپ ﷺ نے اپنے پیچھے ایک اعرابی کو نماز پڑھتے اور یہ کہتے سنا کہ اے اللہ! محمد ﷺ اور مجھ پر رحم کر اور کسی پر نہ کر اس نے سلام پھیرا تو اس سے فرمایا کہ تم نے ایک وسیع چیز کو بہت محدود کر دیا (۴۵) آپ ﷺ کی رحم دلی کی اِن مثالوں سے یہ واضح ہو گیا کہ آپ ﷺ اپنے معاشرے کی پیداوار نہ تھے، آپ ﷺ کی رحمتِ کاملہ، ظلم و عصبیت کے ماحول کے بالکل خلاف تھی اور بے حد و حساب تھی جو

دشمنوں کے لئے بھی تھی۔

غزوۂ احد میں جب آپ ﷺ زخمی تھے اور آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ شہید کردیئے گئے تھے اور مسلمان قتل وایذا کا شکار تھے آپ ﷺ سے بددعا کے لئے کہا گیا مگر آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا، اس غیر معمولی رحمت نے طائف میں ثقیف پر بددعا سے آپ ﷺ کو روکا، اور قریش کی تجارت کے لئے یمامہ اور شام کے راستے کھول دیئے، جب انہوں نے صلہ رحمی اور بھکمری کا حوالہ دیا، حالانکہ اُن لوگوں نے انہیں بے گھر بھی کیا تھا اور مدینہ کا محاصرہ بھی کیا تھا۔

آپ ﷺ کا رحم وکرم دوست، دشمن، قوی وضعیف، آزاد اور غلام، انسان وحیوان سب کے لئے تھا اور آپ ﷺ کا قلب مبارک اس سے شرابور تھا، اور وہ دہن مبارک سے بشارت، آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو اور آپ ﷺ کے ہاتھوں سے جود وکرم کی شکل میں ظاہر ہوتا تھا۔

یہ رحمتِ عامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمایاں ترین صفت تھی جسے ابطالِ عالم کسی حد تک حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر آپ ﷺ اس کی کامل مثال اور اسوۂ حسنہ تھے، آپ ﷺ نے اپنے بارے میں بالکل صحیح فرمایا کہ ﴿إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مُهْداةٌ﴾ (۴۶) (میں اللہ کی طرف سے ہدیہ کی گئی رحمت ہوں) اور قرآن بھی یہی کہتا ہے ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ﴾ (سورۂ انبیاء: ۱۰۷) (ہم نے آپ ﷺ کو جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے)

## مراجع ومصادر


(۱) صحیح بخاری ج:۲ص/۹۰۰
(۲) ترمذی ج:۲ص/۱۴
(۳) ترمذی ج:۲ص/۵۸
(۴) صحیح بخاری ج:۲ص/۹۵۴
(۵) ابوداؤدج:اص/۳۴۹
(۶) اسباب النزول ص/۲۹۷
(۷) دارمی ج:۲ص/۳۳۹
(۸) صحیح بخاری ج:اص/۴۰۵
(۹) صحیح بخاری ج:اص/۶۵
(۱۰) الاکمال فی اسماءالرجال ص/۵۹۵
(۱۱) ایضاً
(۱۲) سبل الہدیٰ والرشادج:۶ص/۲۴۸الطبقات الکبریٰ لابن سعدج:۲ص/۱۹۰
(۱۳) ابن ماجہ ج:اص/۲۷۱
(۱۴) ابوداؤدج:۲ص/۲۰۷
(۱۵) صحیح بخاری ج:اص/۳۴۷
(۱۶) صحیح مسلم ج:۲ص/۵۱
(۱۷) ایضاً
(۱۸) صحیح مسلم ج:۲ص/۲۳۸
(۱۹) صحیح بخاری ج:۲ص/۸۹۳
(۲۰) صحیح بخاری ج:۲ص/۸۹۲
(۲۱) ابوداؤدج:۲/۳۹۵
(۲۲) صحیح مسلم ج:۲ص/۱۵۳
(۲۳) ابوداؤدج:اص۳۴۴
(۲۴) ابوداؤدج:اص/۳۴۵
(۲۵) صحیح بخاری ج:۲ص/۸۸۸
(۲۶) صحیح مسلم ج:۲ص/۲۳۷
(۲۷) صحیح مسلم ج:۲ص/۲۳۶
(۲۸) ابوداؤدج:اص/۳۴۷
(۲۹) ابوداؤدج:۲ص/۱۴۷
(۳۰) صحیح مسلم ج:۲ص/۳۲۲
(۳۱) صحیح بخاری ج:۲ص/۹۲۳
(۳۲)..............................................
(۳۳) مسنداحمدرقم الحدیث:۱۲۱۲۶
(۳۴) صحیح بخاری ج:۲ص/۸۸۸
(۳۵) صحیح بخاری ج:۲ص/۸۸۷
(۳۶) ایضاً
(۳۷) صحیح بخاری ج:اص/۱۷۱
(۳۸) صحیح بخاری ج:اص/۱۷۴
(۳۹) مسنداحمدج:۳ص/۴۳۵
(۴۰) صحیح بخاری ج:اص/۱۷۵
(۴۱) صحیح مسلم ج:اص/۳۰۹
(۴۲) صحیح مسلم ج:۲ص/۳۲۳
(۴۳) صحیح بخاری ج:۲ص/۶۷۳
(۴۴) صحیح بخاری ج:اص/۱۸۲
(۴۵) صحیح مسلم ج:۲ص/۸۸۹
(۴۶) شعب الایمان ج:۲ص/۱۶۴

۹

# فصاحت و بلاغت

بطل الابطال خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ایک بشر تھے جن پر وحی آتی تھی اور وہ وحی قرآن مجید میں موجود ہے اور اس کے علاوہ آپ ﷺ کے دوسرے اقوال، عقل سلیم اور ایک ممتاز شخصیت کی فصیح زبان کا ثمرہ ہیں جس کی وجہ سے آپ ﷺ ہمیشہ کے لئے فصاحت و بلاغت کے امام، اور تاریخ انسانی کے ممتاز شخص رہیں گے جن میں تین باتیں جمع ہو گئی تھیں۔

۱- پیدائشی دشمنی رکھنے والی اقوام وقبائل کو ایک متحدہ امت بنا دینا۔

۲- ایک ایسی حکومت کی تاسیس جو صدیوں تک وسطِ عالم میں طاقت کا سرچشمہ رہی ہے اور جس کا اثر ہزار سال سے زیادہ عرصے تک قائم رہا ہے اور جس سے رسول اللہ ﷺ کی بے مثال عظمت آشکارا ہوتی رہی ہے۔

۳- ایسے دین کا قیام جس کے کروڑوں ماننے والے عرب وعجم اور ہر جنس ونسل کے لوگ ہیں، اِن تینوں میں سے ہر بات آپ کو بقائے دوام عطا کرنے کے لئے کافی ہے اور جو وحی الٰہی کے بعد آپ ﷺ کی لسانِ فصیح اور عقلِ مُدَبّر کا نتیجہ ہے۔

لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایسا سہل و معجز اسلوب عطا ہوا تھا جو عربی کے کسی معلم و متعلم کو نہیں دیا گیا، چنانچہ آپ ﷺ کو جامع کلمات، فصیح الفاظ میں نادر حکمتیں، فیصلہ کن اقوال اور شستہ وشگفتہ الفاظ میں حقیقی وابدی معانی

عطا ہوئے تھے جن میں کوئی تکلف نہ تھا۔

ایک دن آپ ﷺ کے اصحاب کہنے لگے کہ آپ ﷺ سے زیادہ ہم نے کسی اور کو فصیح نہیں دیکھا اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ قرآن میری فصیح عربی زبان میں نازل ہوا ہے، آپ ﷺ نے اپنی فصاحت کا سبب بتایا کہ آپ ﷺ کی پیدائش قریش میں اور پرورش بنی سعد میں ہوئی (۱) آپ ﷺ کا مطلب تھا کہ آپ ﷺ کے کلام میں عرب دیہاتوں کی فصاحت ومتانت بھی ہے اور شہری لہجہ کی رونق وصنعت بھی مگر بنی سعد میں پرورش اور قریش سے نسبت آپ ﷺ کی غیر معمولی قدرتِ کلام کی توجیہ نہیں پیش کرتی کہ آپ ﷺ ہر قوم وقبیلے سے اُسی کے لہجے میں بات کرتے تھے اور اُن تمام لہجوں میں ایسی خوش آئند وجامع بات کہتے جو سامع کا دل موہ لیتی خواہ وہ عدنان وقحطان کا ہوتا یا جنوب وشمال کا یا حجاز اور نجد وتہامہ کا ہوتا مگر وہ ہر لہجے اور فصاحت وبلاغت میں آپ ﷺ کی امامت کا قائل ہو جاتا تھا۔

آپ ﷺ کا کلام درمیانی ہوتا تھا جس میں نہ زیادتی ہوتی اور نہ کمی اور سننے والا اسے یاد کرسکتا تھا۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تمہاری طرح جلدی جلدی نہیں بولتے تھے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر بولتے تھے، جسے پاس بیٹھنے والا یاد کرلیتا تھا(۲) وہ یہ بھی کہتی ہیں کہ آپ ﷺ اس طرح بات کرتے تھے کہ شمار کرنے والا اُسے شمار کرسکتا تھا(۳) آپ ﷺ نے علم بیان اپنی قوم میں سیکھا تھا جو فصاحت کے لئے مشہور تھی، جو ادبی مقابلے کرتے تھے اور منتخب کلام کو سونے سے لکھ کر کعبہ پر لٹکا دیتے تھے، حضرت ابوبکرؓ جاہلیت واسلام دونوں میں قریش کے ماہر انساب مانے جاتے تھے، وہ بھی آپ ﷺ کی فصاحت وبلاغت پر حیران تھے، ایک دن وہ

آپ ﷺ سے کہنے لگے کہ میں عرب میں گھوما پھرا ہوں اور ان کے فصحاء کا کلام بھی سنا ہے مگر آپ ﷺ سے زیادہ کسی کو فصیح نہیں پایا تو آپ ﷺ کی تربیت کس نے کی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور اچھی طرح سکھایا (۴) اور یہی صحیح بات ہے کیونکہ آپ ﷺ کی فطرت میں زود حسی، بصیرت واصابتِ رائے اور استقامت موجود تھی اور آپ ﷺ کے قول وعمل سے ظاہر ہوتی تھی۔

جاحظ (جس کا ادبی مقام آپ کو معلوم ہے) رسول اللہ ﷺ کی تعریف میں کہتا ہے ''اللہ نے آپ ﷺ کے کلام میں دلکشی رکھی تھی اور اسے قبولیت عطا کی تھی اس میں بلندی بھی تھی اور شیرینی بھی، نہ آپ ﷺ کو اعادے کی ضرورت تھی نہ سامع کو، اس کے باوجود نہ کوئی کلمہ فروتر ہوتا تھا نہ لغزش ہوتی تھی، نہ آپ ﷺ پر کوئی حجت غالب آتی نہ آپ ﷺ کے مقابلے میں کوئی ٹھہرا، نہ کسی خطیب نے آپ ﷺ کو لاجواب کیا، آپ ﷺ کا مختصر کلام بڑے بڑے خطبوں پر بھاری ہوتا تھا، مقابل کو اُسی کے دلائل سے قائل کر دیتے تھے، آپ ﷺ کا استدلال صداقت پر مبنی ہوتا تھا، لوگوں نے آپ ﷺ کے کلام سے زیادہ کوئی اور نافع مبنی برصداقت اور معتدل کلام نہیں سنا'' (۵) اب میں کوشش کروں گا کہ آپ ﷺ کے مختلف اقوال پیش کروں جن میں آپ محمدی فصاحت وبلاغت کے روشن نمونے دیکھیں گے کہ صدیوں کے بعد بھی ان کی تازگی برقرار ہے۔

آپ یہ کلماتِ نبوی ﷺ دیکھیں آپ ﷺ نے فرمایا ''میرے رب نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا، تنہائی اور علانیہ میں اللہ سے خوف، رضا اور ناراضگی میں کلمۂ عدل، فقر وغنا میں اعتدال، اور یہ کہ جو قطعِ تعلق کرے اس سے صلہ رحمی کروں، مجھے جو محروم کرے اسے میں عطا کروں، جو مجھ پر ظلم کرے اسے معاف کروں اور یہ کہ

میری خاموشی فکر پر، میرا نطق ذکر پر اور میری نظر عبرت پر مبنی ہو(٦) اسی طرح آپ ﷺ کی تلوار کے دستے پر یہ لکھا ہوا تھا ''اپنے اوپر ظلم کرنے والے کو معاف کردو، قطع تعلق کرنے والے سے سلوک کرو اور برائی کا جواب بھلائی سے دو اور حق کہو خواہ وہ تمہارے خلاف ہو''۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سوار تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اے لڑکے! اللہ کے حق کی حفاظت کر، اللہ تیری حفاظت کرے گا، اُسے یاد رکھ تو اُسے تو سامنے پائے گا، اللہ کو آسانی میں پہچان، تو وہ تجھے تنگی میں پہچانے گا، جب مانگو تو اللہ سے مانگو اور مدد چاہو تو اللہ سے چاہو کیونکہ بندے اگر چاہیں کہ تجھے نفع پہنچائیں اور اللہ نہ چاہے تو وہ نفع نہیں پہنچا سکیں گے، قلمِ تقدیر خشک ہو گئے، اور صحیفے بند ہو گئے، تُو اگر رضا اور یقین کے ساتھ اللہ کے لئے کچھ کر سکے تو کر اور طاقت نہ ہو تو مصیبت میں صبر پر تمہارے لئے بہت اجر ہے، جان لو کہ مدد صبر کے ساتھ ہے اور کشادگی تنگی کے ساتھ ہے اور ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آتی''۔(٧)

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ سے ڈرو جہاں رہو اور برائی ہو تو کوئی اچھائی کرلو کہ اسے محو کردے اور لوگوں سے خوش اخلاقی کرو''۔(٨)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس میں دو خصلتیں ہوں گی اللہ اسے شاکر و صابر تسلیم کرے گا، اور جس میں نہ ہوں گی وہ ایسا نہیں ہوگا، ایک جو دین میں اپنے سے بلند کو دیکھ کر اس کی اقتدا کرے اور اپنی دنیا کے بارے میں اپنے سے کمتر کو دیکھ کر اپنے اوپر اللہ کے احسان

پر شکر ادا کرے''۔(۹)

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے کوئی ہرجائی (اِمّعہ) نہ بنے (جو کسی کے ساتھ اور کسی ایک رائے پر جمتا نہیں) اور کہے کہ میں لوگوں کے ساتھ ہوں وہ اچھا کریں گے تو میں بھی اچھا کروں گا اور برا کریں گے تو میں بھی برا کروں گا، تم اپنے کو ثابت قدم رکھو اگر وہ اچھا کریں تو اچھا کرو لیکن اگر وہ برا کریں تو تم ان کی برائی سے بچو''۔(۱۰)

حضرت معاویہؓ نے حضرت عائشہؓ کو لکھا کہ مجھے ایک مختصر نصیحت تحریر کیجئے تو انہوں نے لکھا: السلام علیک۔ اما بعد! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ جو لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کی رضا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے لوگوں سے بے نیاز کر دیتا ہے اور جو اس کے برعکس کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ والسلام۔(۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ'' آدمی میں سب سے بُری چیز حرص وہوس اور رسوا کن بزدلی ہے(۱۲) ظلم سے بچو کہ ظلم قیامت میں اندھیرا بن جائے گا اور لالچ سے بچو کہ اس نے تم سے اگلوں کو تباہ کیا ہے اور اس نے انہیں اپنا خون بہانے اور حرام کو حلال کرنے پر آمادہ کیا ہے''۔(۱۳)

اور فرمایا ''اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین باتیں ناپسند کرتا ہے، قیل وقال، اضاعتِ مال اور کثرتِ سوال''۔(۱۴)

اور فرمایا کہ'' اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کرو کہ اللہ اُسے مصیبت سے نکال کر تمہیں مبتلا کر دے''(۱۵)

اور فرمایا'' کیا میں تمہیں تمہارے بُرے لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ یہ

وہ ہیں جو تنہا کھاتے ہیں اور اپنے غلام کو مارتے ہیں اور اپنی مدد روکتے ہیں''۔(۱۶)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ'' کچھ عرصہ بعد تم کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں گائے کی دُم کی طرح کوڑے دیکھو گے جو اللہ کے غضب میں صبح کریں گے اور اُس کی ناراضگی میں شام کریں گے (۱۷) دو قسم کے جہنمی ہوں گے جنہیں میں نے نہیں دیکھا، ایک وہ لوگ جن کے پاس گائے کی دُم کی طرح کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو (ناحق) مارتے ہوں گے، اور دوسری قسم میں وہ عورتیں ہوں گی جو پہنے بھی ہوں گی پھر بھی ننگی ہوں گی خود بھی مائل ہوں گی اور دوسروں کو بھی مائل کریں گی، ان کے سر (فیشن کی وجہ سے) بختی اونٹ کے کوہان کی طرح ہوں گے، وہ ہرگز جنت میں داخل نہ ہوں گی اور اُنہیں اس کی خوشبو بھی نہ ملے گی''۔(۱۸) اور فرمایا'' دو چیزوں کے بارے میں اکثر لوگ گھاٹے میں ہیں، صحت و فراغت''۔(۱۹)

یہ مختصر کلمات ملاحظہ ہوں اور ان کی بڑی حکمتوں پر غور کیا جائے۔'' اُس کی صحبت میں خیر نہیں جو تمہاری خیر خواہی نہیں کرتا جس کی تم خیر خواہی کرتے ہو (۲۰) اللہ اس بندے پر رحم کرے جو اچھی بات کہہ کر ثواب حاصل کرے، یا خاموش رہ کر سلامتی پائے (۲۱) لوگ اپنے زمانے کے مشابہ ہوتے ہیں (۲۲) وعدہ بھی عطیہ ہے (۲۳) مؤمن مانوس اور مانوس کرنے والا ہوتا ہے (۲۴) میری امت اُس وقت تک بخیر رہے گی جب تک امانت کو مال غنیمت اور صدقہ کو ٹیکس نہ سمجھے (۲۵) اِن مہلکات سے بچو، حرص و ہوس جن کی پیروی کی جائے اور خود پسندی و غرور''۔(۲۶)

آپ ﷺ بے مثل خطیب تھے حقیقت کو لوگوں کے سامنے کر دیتے تھے، دلکش باتوں سے متاثر کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے اور تکلف کو ناپسند فرماتے تھے،

عبارت و معنیٰ دونوں واضح ہوتے تھے، آپ ﷺ کے طویل خطبے بھی ہیں لیکن اُن میں کوئی کمی زیادتی نہیں، مختصر یہ کہ آپ ﷺ کا کلام مختصر اور معجزانہ ہوتا تھا۔

حضرت ابوسعید الخدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہمارے ساتھ عصر کی نماز پڑھی پھر کھڑے ہو کر ایسی تقریر کی جس میں قیامت تک ہونے والی باتوں کی خبر تھی اُسے یاد کرنے والوں نے یاد کر لیا اور بھولنے والے بھول گئے اس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''دنیا بڑی سرسبز و دلکش نظر آتی ہے اور اللہ نے اس میں تمہیں خلیفہ بنا کر دیکھنا چاہا ہے کہ تم کیا عمل کرتے ہو تو دنیا سے ڈرتے رہو اور عورتوں کے بارے میں بھی ڈرو، لوگوں کا خوف حق بات کہنے سے کسی کو نہ روکے، قیامت میں ہر غدار کی غداری کے بقدر اس کا علم ہوگا اور امام المسلمین سے غداری بڑی غداری ہے، غصہ آدمی کے دل کی آگ ہے تم اس کی آنکھوں کی سرخی اور اس کی رگوں کا پھولنا نہیں دیکھتے بس جسے غصہ آئے وہ زمین پر بیٹھ جائے''۔(۲۷)

پھر وہ جامع خطبہ دیکھیں جس میں اختصار کے ساتھ اصول شریعت آ گئے ہیں، جسے آپ ﷺ نے ایک لاکھ کے مجمع میں عرفہ کے دن حجۃ الوداع میں دیا تھا اس میں آپ ﷺ نے جاہلی روایتوں کو لغو قرار دیا، مساوات کے اصول قائم کئے، انتقام کو حرام کیا اور اس طرح عربوں کی قدیم اور عزیز رسم کا خاتمہ کر دیا، اسی طرح آپ ﷺ نے ربا (سود) کا خاتمہ بھی کیا، عورتوں کا درجہ بلند کیا، فتنہ پردازی، لوٹ مار سے منع کیا جو اُن کے لئے فخر و عزت کی چیز تھی، حرام مہینوں کا بیان کیا، سال میں حلال و حرام کے اوقات بتائے، رومی عرب کے حرام مہینوں کا فائدہ اٹھا کر ان پر حملہ آور ہوتے تھے، آپ ﷺ نے لوگوں کو اور نصیحتیں کیں اور انہیں گناہوں کو

معمولی سمجھنے سے آگاہ کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''لوگو! میری بات غور سے سنو کہ میں اِس سال کے بعد شاید اِس مقام پر تم سے نہ ملوں۔

لوگو! زمانہ پھر کر وہاں آ گیا جب اللہ نے زمین و آسمان بنائے، سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے جن میں سے چار حرام ہیں، تین مسلسل ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، اور محرم اور رجب جو جُمادیٰ اور شعبان کے درمیان ہے یہ کون مہینہ ہے کیا ذی الحجہ نہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا! یہ کون شہر ہے، کیا شہر حرام نہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں! پھر کہا یہ کون دن ہے کیا یوم النحر نہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں! اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری جانیں تمہارے مال تمہاری عزتیں تم پر اِس دن، اِس مہینے اور اِس شہر کی طرح حرام ہیں، تم عنقریب اپنے رب سے ملوگے تو وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا، تو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ بعض تمہارے بعض کی گردن مارے، ہاں! حاضر غائب کو پہنچا دے تو ہوسکتا ہے کہ بات پہنچایا جانے والا سننے والے سے زیادہ یاد رکھتا ہو، پھر دوبار آپ ﷺ نے مجمع سے پوچھا کیا میں نے پیغام پہنچا دیا، کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟

جس کے پاس امانت ہو وہ امانت والے کو پہنچا دے، اور ہر سود ختم ہے، البتہ تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہوگا، نہ تم ظلم کروگے نہ تم پر ظلم کیا جائے گا، اللہ نے سود ختم کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا سود ختم کیا جاتا ہے اور جاہلیت کا ہر خون معاف کیا جاتا ہے اور سب سے پہلے میں ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کا خون معاف کرتا ہوں۔

امابعد! لوگو! شیطان اِس سے مایوس ہو چکا کہ تمہارے اِس شہر میں اُس کی

کبھی پرستش کی جائے گی، لیکن وہ اور باتوں کی طمع رکھے گا اور وہ اِس بات سے خوش ہوتا ہے کہ تم اپنے اعمال کو حقیر سمجھتے ہو تو اپنے دین کے بارے میں اُس سے بچتے رہو، اے لوگو! اُدھار پر سود لینا کفر میں زیادتی ہے جس سے کافر گمراہ ہوتے ہیں اُسے وہ ایک سال حلال کرتے اور دوسرے سال حرام کرتے ہیں تا کہ اللہ کی حرام کردہ اشیاء کی گنتی پوری کریں اس طرح وہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کر لیتے ہیں۔

اما بعد! لوگو! تمہارے حق تمہاری عورتوں پر ہیں اور اُن کے حق تم پر ہیں، تمہارا اُن پر یہ حق ہے کہ تمہارے فرش پر تمہارے علاوہ کسی کو نہ بٹھائیں کہ تمہیں برا لگے، اور اُنہیں چاہیئے کہ وہ کھلی برائی سے دُور رہیں اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو اللہ تمہیں اجازت دیتا ہے کہ انہیں خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو اور انہیں ہلکی مار مارو، تو اگر وہ باز آجائیں تو اُن کے لئے معروف طریقے سے کھانا کپڑا فراہم کرو۔

لوگو! عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرو کہ وہ تمہارے پاس گویا اسیر ہیں اور اپنی کسی چیز کی مالک نہیں تو میری بات سمجھو کہ میں نے بات پہنچادی اور تم میں ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں جسے مضبوط پکڑو گے تو گمراہ نہ ہوگے۔ کتاب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔

لوگو! میری بات سنو اور سمجھ لو کہ ہر مسلم ایک دوسرے کا بھائی ہے اور سب مسلمان بھائی بھائی ہیں، تو کسی کے لئے اس کے بھائی کا مال حلال نہیں الا وہ جو اُسے خوشی سے دے تو اپنوں پر ظلم نہ کرو، اے اللہ! کیا میں نے بات پہنچادی؟ اس پر ہر طرف سے لوگوں نے ہاں میں جواب دیا تو فرمایا اے اللہ! گواہ رہ! (۲۸) اور اپنی اونٹنی سے اتر آئے''۔

یہ خطبۂ حجۃ الوداع ایسے اصول واقدار کا جامع ہے، جن کا آج متفقہ طور سے

اقرار کیا جارہا ہے لیکن جن لوگوں کو خطبہ کے وقت عربی معاشرے بلکہ عالمی معاشرے کا علم ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ دنیا کے سب سے بڑے انقلاب کی اساس بنا اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ اختصار کے باوجود مرض اور علاج دونوں کی تشخیص پر مبنی ہے اور اُس میں وہ تہذیبی بنیادیں موجود ہیں جنہوں نے جاہل عربوں کو صدیوں تک مشرق و مغرب کی امامت وسیادت کے قابل بنادیا۔

زمانہ گزرتا جارہا ہے اور ہر شے پرانی ہوتی جارہی ہے مگر فصاحت و بلاغتِ نبویہ ایسی تروتازہ ہے کہ علم وادب کے جویا اور خودادباء اُس میں شفا و سیرابی پاتے ہیں۔

## مراجع و مصادر


(۱) سبل الہدیٰ والرشاد ج:۲ص/۹۹

(۲) ابوداؤد ج:۲ص/۵۱۴

(۳) ایضاً

(۴) سبل الہدیٰ والرشاد ج:۲ص/۹۹

(۵) البیان والتبیین ج:۲ص/۱۷

(۶) مشکاۃ المصابیح ص/۴۵۸ بحوالۂ رزین

(۷) مسند احمد رقم الحدیث:۲۸۰۴

(۸) ترمذی ج:۲ص/۲۰

(۹) ترمذی ج:۲ص/۴۷

(۱۰) ترمذی ج:۲ص/۲۱

(۱۱) ترمذی ج:۲ص/۶۴

(۱۲) ابوداؤد ج:۲ص/۳۴۰

(۱۳) صحیح مسلم ج:۲ص/ ۳۴۰
(۱۴) صحیح مسلم ج:۲ص/ ۷۵
(۱۵) ترمذی ج:۲ص/ ۷۵
(۱۶) کتاب الزہد للامام ابی عبداللہ احمد بن حنبل الشیبانیؒ
(۱۷) صحیح مسلم ج:۲ص/۳۸۳
(۱۸) صحیح مسلم ج:۲ص/۳۸۳
(۱۹) مسند احمد رقم الحدیث: ۳۲۰۷
(۲۰) سبل الہدیٰ والرشاد ج:۲ص/ ۹۵
(۲۱) سبل الہدیٰ والرشاد ج:۲ص/ ۹۵
(۲۲)............ ............
(۲۳) مراسیل ابی داؤد رقم الحدیث: ۵۲۲
(۲۴) السنن الکبریٰ ج: ۱۰ص/۴۰۰
(۲۵) ترمذی ج:۲ص/۴۴
(۲۶) ترمذی ج:۲ص/ ۱۳۱
(۲۷) ترمذی ج:۲ص/۴۲
(۲۸) سبل الہدیٰ والرشاد ج:۸ص/ ۴۶۸ وسیرت ابن ہشام ج:۲ص/۶۰۴

۱۰

# حُسنِ سیاست اور معاملات میں حکمت

حکمت عملی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بڑی صفت ہے جو اصحابِ حکومت وسیاست اور ہر شعبۂ زندگی کے مصلحین کے لئے اسوہ اور مثال ہے جو انہیں کامیابی سے ہم کنار کرسکتی ہے کیونکہ آپ ﷺ کو جو اخلاق دیئے گئے تھے اور آپ ﷺ میں جو حسنِ سیاست اور حکمتِ عملی تھی اس کے ساتھ آپ ﷺ کو وہ کامیابی بھی ملی جو آپ ﷺ سے پہلے اور بعد میں کسی اور کو نہیں ملی۔

اپنی زندگی کے اِس پہلو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مثالی حکمراں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور اس بارے میں آپ، دوسرے انبیاء ورسل اور اکابر پر اُن کی فوقیت دیکھیں گے، سیرتِ نبویہ کا یہ پہلو مدینہ میں زیادہ واضح ہوا جب حالات نے آپ ﷺ کو قائد وزعیم کی شکل میں ظاہر ہونا ناگزیر کردیا۔

وہاں قانونِ اسلامی نے مکہ سے زیادہ سیاسی واجتماعی زندگی کی تفصیلات کو اپنے اندر شامل کیا، جہاں دعوت ابھی ابتدائی مرحلے میں تھی اور اُس کی پوری قوت لوگوں کو خداشناسی پر متوجہ کرنے اور انہیں حساب وعذاب سے ڈرانے میں صرف ہورہی تھی، اور مختلف حالات میں دعوت کے اس فرق سے بعض غیر مسلم اہل قلم غلط فہمی میں پڑ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو مکی ومدنی دور میں بانٹنے لگے کہ مکہ میں وہ نبی تھے اور مدینہ میں حکمراں اور سلطان تھے۔ اگر وہ اہل نظر ہوتے

تو مکہ کے واعظ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں بھی عبادت گذار دیکھتے جس کے قدم راتوں کو اللہ کے سامنے کھڑے ہونے میں سوج جاتے تھے (۱) اور سلطانِ مدینہ ہوتے ہوئے بھی وفات کے وقت ان کی زرہ ایک یہودی کے پاس گرو تھی (۲) اور وہ طائف والے محمد ﷺ کو (جنہیں وہاں کے غلام، لڑکے اور بازاری لوگ مذاق اور سنگ باری کا نشانہ بنائے ہوئے تھے اور تھک کر بیٹھ جانے پر انہیں زبردستی اٹھاتے تھے اور وہ ان کی ہدایت کی دعا کرتے تھے) وہی محمد ﷺ پاتے جو فتح مکہ کے دن عثمان بن طلحہ کو کعبہ کی کنجیاں دیتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ آج نیکی اور وفا کا دن ہے (۳) اگر وہ لوگ جو انہیں مکہ میں نبی اور مدینہ میں سلطان بتاتے ہیں، مکہ کے ایامِ محنت میں حکومت کی تخم ریزی کا اندازہ کرتے تو اسے مدینہ کی پیداوار نہ بتاتے اور اسے ایک سخت جد و جہد کا لازمی نتیجہ سمجھتے جو تیرہ سال چلتی رہی اور اسے اس دعوت کا نتیجہ قرار دیتے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ﴾ (سورۂ حجر: ۹۴) (آپ ﷺ کو جو حکم ہے اسے کھل کر بیان کیجئے اور مشرکین سے اعراض کیجئے) مدینہ کی حکومت نبی کریم ﷺ کے تلامذہ ہی کے ہاتھوں جنہوں نے اللہ کی راہ میں دوبار حبشہ کی ہجرت کی اس کے بعد مدینہ آئے، اور مکہ میں عَقَبہ کی پہلی اور دوسری بیعت کرنے والے انصار کی مدد سے قائم ہوئی وہ لوگ مثالی امت کا تخم تھے جن کی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں تخم ریزی کی تھی اور پھر اس پر حکومتِ محمدیہ کی تعمیر کی جس پر بعد میں اسلامی سلطنت قائم ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ اور غارِ حرا میں وحی کی آواز سننے سے لیکر مدینے میں بیتِ عائشہ رضؓ میں رفیق اعلیٰ سے وصال تک ہمیشہ واضح مقصد، عقل سلیم اور حُسنِ

سیاست کے حامل رہے۔

مکہ کے قیام سے فائدہ اٹھانے کے لئے آپ ﷺ اپنے چچا ابوطالب کی پناہ میں رہے جو مشرک تھے (۴) اور طائف سے واپسی پر ایک اور مشرک مطعم بن عدی کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے (۵) اس طرح مکہ کے بتوں کے خاتمہ کے مقصد سے بت پرستوں سے بھی مدد لی، اسی طرح اہل مدینہ کی تنظیم کے لئے ان سے معاہدہ کیا اور ان کی مدد سے اپنے اور اپنے ساتھیوں کو محفوظ رکھتے ہوئے بتوں کا خاتمہ کیا۔

ایک مقصد کے لئے آپ ﷺ کی صلاحیت اور طریقۂ کار یکساں تھا لیکن حالات کے اختلاف کے سبب مغربی مؤرخین اس کی صحیح تصویر کشی نہیں کر سکے۔

اگر وہ مدینہ میں تشریع و تنظیم اور امورِ زندگی میں مصروف نظر آتے ہیں تو وہ ان کے بدل جانے کی دلیل نہیں، بلکہ ان کے تفوق، غیر معمولی اہلیت اور عقل و تدبر کی علامت ہے۔

وہ ذاتِ گرامی جو مشرکین مکہ کے مقابلے میں تیرہ سال تک استقامت کے ساتھ کھڑی رہی، اُس نے مدینہ آ کر اور امورِ دنیا میں رہنمائی کر کے اپنی اِس اہلیت کا ثبوت دیا کہ وہ ہر مشکل سے مناسب وقت میں نمٹنے کی اہل ہے۔

آپ ﷺ کی بے مثال صلاحیتوں اور صفتوں نے ہر پہلو سے آپ ﷺ کو مثالِ کامل اور اسوۂ حسنہ بنا دیا تھا اور ان کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے بے اقتدار ایامِ دعوت اور مدینہ کے با اقتدار زمانۂ دعوت دونوں میں با توفیق اور کامیاب نظر آتے ہیں، آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی نے اللہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھا اور غیر اللہ سے صرفِ نظر کیا، وہ دونوں شہروں میں عابد و زاہد اور اپنے مالک کے سامنے رونے والے تھے، اُن کے اصحاب اُن کے لئے نرم بستر لگانا چاہتے ہیں تو وہ کہتے ہیں

کہ مجھے دنیا سے کیا لینا میری اور دنیا کی مثال تو یہ ہے کہ ایک مسافر درخت کے سائے میں رکے اور روانہ ہو جائے (٦) اقتدار نے انہیں مظاہر سے دھوکہ نہیں دیا اور نہ وہ تواضع اور سادگی سے الگ ہوئے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ناقد کو اِس میں کیا تضاد نظر آتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی شخصیت کو دو حصوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہے ایک مکی زندگی جس میں اقتدار نہ تھا اور مدینہ میں جب وہ با اقتدار اور مشرکین سے برسر پیکار تھے، حالانکہ دونوں میں آخری لمحے تک آپ ﷺ کا مقصد دین کی اشاعت اور شرک پر اسلام کا غلبہ تھا۔ ان کے ناقد کو ان کی مکی و مدنی زندگی میں کس طرح تناقض واختلاف نظر آتا ہے جب کہ وہ مکی زندگی میں اذیت واستہزا پر صبر کرتے اور جاہلی عرف کو نہ مانتے ہوئے بھی جان بچانے کے لئے اس کا سہارا لیتے ہیں، مؤمنین کو حبشہ بھیجتے ہیں، دین کے لئے مجادلہ کرتے اور اس کی دعوت دیتے ہیں اور ہر حادثہ سے اپنی صائب رائے کے سبب بچ نکلتے ہیں اور ہر صورتِ حال کے لئے محکم تدبیر کرتے ہیں اور مدنی زندگی میں اس کے باشندوں پر بھروسہ اور یہود و مشرکین سے معاہدہ کرتے ہیں اور اپنی حکومت کی بدولت اپنی جان بچاتے ہیں اور صائب رائے کے ذریعے قبائل کے حملے سے نجات اور اپنی تدبیر سے مصائب پر غلبہ پاتے ہیں۔

آپ ﷺ نے مکی زندگی کے ۱۳ر سال گویا شیر کے منہ میں گزارے مگر شیر اُنہیں اپنی کچلیوں سے زخمی نہ کرسکا، اور مدینہ میں بھی دس سال تک وہ شیر اُن پر دانت تیز کرتا رہا مگر دونوں جگہوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اصابت رائے، بہترین سیاست وصبر، اور عالی ظرفی اور تدبیر سے شیر کو جال میں بند کرنے کا کام کیا اور آپ ﷺ کی معجزانہ کامیابی کے بعد کفار مبہوت ہو گئے اور کہنے لگے کہ اگر وہ حکومت

نہ قائم کرتے اور فوج کی قیادت نہ کرتے تو ان تمام آلودگیوں سے پاک صاف نبی ہوتے۔

آپ ﷺ کے ناقد جو رسول اللہ ﷺ کو صرف واعظ دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ اپنی دعوت کی راہ میں شہید ہو جاتے، اگر وہ دعوت کے انجام پر غور کرتے تو وہ ہمارے ہم خیال ہوتے، اور آپ ﷺ کو مرشد و واعظ اور منتظم و فاتح، دونوں شکلوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے۔ ظالم اَعراب کے درمیان، بت پرستی اور عصبیت اور جان و مال اور عزت سے کھیلنے پر فخر کے ماحول میں رسول اللہ ﷺ کی شہادت کے بعد وہ اور ان کی دعوت دونوں استہزا کا ہدف بنتے اور قریش اس کی تیاری میں بھی تھے اور آپ ﷺ کے بعد وہ بنی ہاشم کے لئے مظلوم بن کر دیت قبول کرنے کے حالات پیدا کر چکے تھے۔

اگر وہ ناقد عربوں کی زندگی سے واقف ہوتے تو اس حالت کو سمجھ لیتے، اور اگر رسول اللہ ﷺ حالات سے سمجھوتہ کر لیتے تو راستے ہی میں رہ جاتے اور ان کے دین میں سے کچھ مواعظ رہ جاتے جو تاریخ کے ذیل میں بیان ہوتے، یا بالفرض دعوت قسمت کے سہارے رہتی جیسا کہ دوسری دعوتیں رہیں کہ ان کو کوئی جابر بادشاہ یا مصلح مل گیا اور بزورِ شمشیر ان کی اشاعت کی، یہ ارادۂ الٰہی اور ارادۂ محمدی کے برخلاف صورت ہوتی، ایک عقل و مردانگی رکھنے والے انسان سے ناقدین اور کیا چاہتے ہیں؟ قوم اُن کی جان کے درپے ہوئی تو انہوں نے وہاں سے ہجرت کی، اُس کے بعد بھی وہ پیچھا کر کے اُن کا خاتمہ کر دینا چاہتے تھے، کُل اختلاف اُس عقیدے کا تھا جس سے قلب محمد ﷺ سرشار تھا اور اِس کے لئے انہوں نے طرح طرح کی اذیتیں جھیلیں اور وہ ان کے لئے ابدیت کی اساس اور دوسری زندگی کا وسیلہ تھا، کیا وہ مدینہ میں اُن کے انتظار میں بیٹھے رہتے کہ

وہ انہیں آ کر قتل کر دیں؟ اگر اُن کا مقصد کسی طرح دنیا سے متعلق ہوتا تو ہم اُن کے نقطہٴ نظر پر غور کرتے لیکن پیغمبر ﷺ کا معاملہ تو متاعِ دنیا سے تھا ہی نہیں۔

رسول اللہ ﷺ اپنے مخالفین سے زیادہ صاحبِ فکر و نظر تھے اس لئے مدینہ پہنچ کر دعوت کی راہ میں اُس قوم کے خلاف تیاری میں لگ گئے جو صرف طاقت کا احترام کرتی تھی اور جس کے لئے ۱۳ رسال کی نصیحت بھی کارگر نہیں ہوسکی تھی، آپ ﷺ نے اپنے ذہن ثاقب سے اپنے اور اپنے اصحاب کے دفاع کے لئے اچھے وسائلِ دفاع کا اچھا استعمال کیا اور اُس کامیابی سے ہمکنار ہوئے جس کے بارے میں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا کہنا ہے کہ ''ایسی کامیابی کسی زمانے میں کسی دینی مصلح کو نہیں ملی''۔ مگر اس بے نظیر کامیابی نے رسول اللہ ﷺ کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں کی، اُن کا زُہد و عبادت، تواضع و سادگی، رحم و کرم، ظاہر و باطن، مقصود و مطلوب ویسا ہی رہا اور مدینہ میں دعوت کے غلبے کے وقت بھی وہ ویسے ہی رہے جیسے مکہ میں دعوت کی مغلوبیت کے وقت تھے، تو ہمارے نزدیک اُن کی عظمت اُن کی بادشاہت میں بھی ہے جیسے ان کی نبوت میں ہے، وہ فاتحین کی تاریخ میں پورے اقتدار کے باوجود ایک فقیر و زاہد کی طرح تنہا کھڑے ہیں، وہ مرتے وقت کسی کے لئے وصیت بھی نہیں کرتے اور اپنے اہل بیت اور وفاداروں کو اپنی قائم کردہ سلطنت اور عام وراثت سے بھی یہ کہہ کر محروم کر دیتے ہیں کہ ''ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا اور ہم جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے''۔ (۷)

نماز میں اطمینان کی حالت میں انہیں اپنے گھر میں پڑی کچھ چاندی یاد آتی ہے تو آپ ﷺ جلدی سے گھر جاتے ہیں اور اسے لا کر تقسیم کر دیتے ہیں، انہیں یہ ڈر ہوتا ہے کہ انہیں کہیں موت آجائے اور وہ چاندی ان کے گھر میں پڑی رہے (۸)

آپ ﷺ مکہ میں جب فاتحانہ داخل ہوئے تو اونٹنی پر آپ کا سر جھکا ہوا تھا (۹) حالانکہ ان کے دشمن ذلیل وخوار ہو رہے تھے مگر انہیں اپنے نفس کے فخر وغرور کا اندیشہ لگا ہوا ہے۔

حق تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مدنی زندگی اور امت کی قیادت وحکومت کے ذریعہ اپنی رسالت کا حق ادا کیا اور ہمیں قولی نہیں عملی طور پر بتا دیا کہ مختلف مواقع پر ایک حاکم کو کس طرح رہنا چاہیے، اس لئے کہ جب تک تہذیب بلکہ دنیا قائم ہے لوگوں کو حاکم اور حکومت کی ضرورت پڑے گی، اس لئے اگر آپ ﷺ کی وفات ہو جاتی اور یہ پہلو سامنے نہ آتا تو وہ کامل مثال سامنے نہ آتی جس سے لوگ مستفید ہو رہے ہیں اور اگر مواعظ ہی کافی ہوتے تو لوگ کتابوں کے ذریعے مصلحین سے بے نیاز ہو جاتے لیکن انسان امثال واقوال کی تطبیق چاہتا ہے، آنکھ دیکھنا چاہتی ہے اور کان سننا چاہتے ہیں اور حواس فکر کے شریک ہونا چاہتے ہیں۔

یہی چیزیں لوگوں کو صالح مثالوں سے متأثر کرتی اور مفید وشریفانہ اعمال پر اُکساتی ہیں اس لئے بقول باسورتھ اسمتھ ''رسول اللہ ﷺ علی الاطلاق سب سے بڑے مصلح ہیں''۔

اِس گفتگو میں بعض غیر مسلم لکھنے والوں کا اجمالی رد کیا گیا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مکی ومدنی دو شخصیتوں میں بانٹنے کی غلط کوشش کی ہے، اب میں اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں یعنی رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے اُس پہلو کی طرف جو ہمارے لئے درسِ کامل ہے اور جو اخلاقِ فاضلہ کی نشاندہی کرتا ہے، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رفیق حضرت ابوبکرؓ پُر مشقت سفر کے بعد یثرب اِس

حال میں پہنچے کہ آپ ﷺ کے رفیق پر بڑا خوف طاری تھا، اور آپ ﷺ بھی اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے امن کی تلاش میں وہاں پہنچے تھے کچھ اطمینان ہونے کے بعد آپ ﷺ نے اپنی بصیرت سے محسوس کیا کہ مدینہ کو امن، داخلی تنظیم اور خارجی طور پر سلامتی کی ضرورت ہے، آپ ﷺ جب یثرب پہنچے (جس کا نام بعد میں مدینۃ النبی ﷺ پڑا) تو وہاں اوس و خزرج ۱ میں جنگ بُعاث ۲ ہو چکی تھی اور قدیم عداوت نئے حوادث پیدا کر رہی تھی اور یہود فتنہ کی آگ بھڑ کا رہے تھے اور اوس و خزرج کے اتحاد سے خوف زدہ تھے۔

آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب مدینہ آئے تو وہاں اُن کو کوئی قوت حاصل نہ تھی اور وہ اُس قوم میں پناہ گزیں کی طرح تھے جو خانہ جنگی کا شکار تھی، تو آپ ﷺ نے مسلمانوں میں تو گرم جوشی پائی اور یہود و مشرکین نے بھی قدرے خوشی کا اظہار کیا، وہاں کے مسلمانوں کو تو یہ امید تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اتحاد پیدا کر دے گا اور یہود، بتوں کے مخالف عرب انسان سے جو اہل کتاب سے دوستی چاہتا تھا، فائدہ اٹھا کر ایک طرف عربوں پر فخر کرنا اور دوسری طرف شمال کی نصرانیت کا مقابلہ کرنا چاہ رہے تھے اس لئے آپ ﷺ کا موقف بہت نازک تھا ایک طرف اس کا سامنا یہود و مشرکین کی بدعہدی سے تھا اور دوسری طرف مکہ کا خوف لاحق تھا۔

چنانچہ ہم دیکھیں گے کہ آپ ﷺ نے کیسا حکیمانہ موقف اپنایا، آپ ﷺ نے ثابت کر دکھایا کہ آپ ﷺ بڑے سے بڑے مسئلہ کو حل کرنے کے لائق ہیں

۱ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار میں یہ دو قبیلے تھے جو قیلہ کی اولاد تھے جو ان کی ماں تھی اور ان کے باپ حارثہ بن ثعلبہ یمنی تھے۔

۲ یوم بُعاث ایام عرب کا مشہور دن جس میں اوس و خزرج میں لڑائی ہوئی، بُعاث اوس کے قلعے کا نام تھا۔

اور ایسا صرف وحی کی مدد سے نہیں بلکہ اللہ کی عطا کردہ اعلیٰ اہلیت، حسنِ تدبیر اور کمالِ عقل کی بدولت بھی ہے۔

آپ ﷺ نے سب سے پہلے مسجد کی تعمیر شروع کی، جو مسجد ہی نہ تھی بلکہ صلاحِ دین ودنیا کی اساس تھی، وہ معبد کے ساتھ پارلیمنٹ، مجلسِ عاملہ، اور قیادت کا مرکز بھی تھی، وہاں سے دعوت الی اللہ بھی دی جاتی، تشریع سازی بھی ہوتی، اور انتظامی، سیاسی اور فوجی منصوبے بھی بنتے۔ وہاں وفود کا استقبال بھی ہوتا اور درس وتدریس کا کام بھی ہوتا تھا (۱۰) مسجد اپنی سادگی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کی سادگی اور ان کی حقیقت پسندی کے بالکل مطابق تھی، اور ہر وقت لوگوں کو یہ حقیقت یاد دلاتی تھی کہ بڑے انقلابات اور اُن میں کامیابی اُنہیں سادگی پسند لوگوں کا حصہ ہوتی ہے، جو روحانیت اور اخلاق پر توجہ دیتے ہیں اور مظاہر سے دور رہتے ہیں۔

اِس چھوٹی سی مسجد سے اسلامی نظام کا تدریجی ارتقا ہوا جو سارے جزیرۃ العرب میں پھیل گیا، اور روم وفارس اس کے تابع ہو گئے، اِس مسجد میں بعض وقتی اور ہنگامی فیصلے کئے گئے جو اپنی حکمت وفراست کی وجہ سے امورِ سلطنت کی اساس اور سب سے بڑی انسانی اصلاحی تحریک کی بنیاد ثابت ہوئے، اِن تدابیر کے سبب یثرب اپنے باشندوں کے لئے متنازع اقوام کے مسکن کے بجائے وطن بن گیا جس میں مسلمان، اور مشرکین و یہود اور ہر قوم وقبیلہ اور عربی وعجمی امن وسکون سے رہنے لگا، اور لوگوں کو وطن کے صحیح معنیٰ معلوم ہوئے جس میں لوگ مساوی طور پر ایک نظام کے تحت اپنے حقوق وفرائض کے ساتھ بغیر تفریقِ رنگ ونسل اور مختلف مذہبوں کے ساتھ رہ سکیں۔

رسول اللہ ﷺ نے نئے وطن کا دستور تیار کیا جس میں تمام مذاہب واقوام کو ہم وطن بنا کر وطن کے دفاع کا مکلّف کیا گیا اور جنگ وامن میں ایک دوسرے کا مددگار بنایا گیا کہ ہم وطنوں کے خلاف وہ دوسروں کی مدد نہ کریں خواہ وہ باپ بیٹے ہی کیوں نہ ہوں، دستور نے اہل وطن کو عقیدے کی آزادی دی تھی اوران کی جان ومال اور عزت وآبرو کی ضمانت لی تھی۔ وہ صحیفۂ دستور اِس طرح شروع ہوتا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریر قریش ویثرب کے مسلمانوں کے درمیان لکھی گئی ہے اس میں مسلمانوں کے ساتھی اوران کے ساتھ لڑنے والے بھی ہوں گے اور وہ لوگوں کے مقابل ایک امت ہوں گے، پھر یہ طے کیا جاتا ہے جو یہود ہمارے ساتھ ہوں گے وہ مدد وحسنِ سلوک کے مستحق ہوں گے،اوران پر کوئی ظلم نہ ہوگا اور نہ ان کے خلاف کسی کی مدد کی جائے گی اور یہود بنی عوف، مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم ہوں گے، یہود کے لئے ان کا دین ہوگا اور مسلمانوں اوران کے موالی کے لئے ان کا دین ہوگا، یہ بھی طے ہے کہ معاہدہ کرنے والے یہود بھی بنی عوف کی طرح ہوں گے۔

پھر صحیفہ میں ذکر ہے کہ یہود و مسلمان اپنا اپنا خرچ اٹھائیں گے اور اہل صحیفہ سے جنگ کرنے والوں کا دفاع کریں گے اور آپس میں نیکی اور خیر خواہی کا معاملہ ہوگا نہ کہ گناہ کا۔

اور یثرب کا اندرونی حصہ اہل صحیفہ کے لئے حرام ہے اور پڑوسی اپنی طرح ہوگا نہ اسے ضرر ہوگا نہ ظلم، اور بلا اجازت کسی حرمت سے تعرض نہ ہوگا اور اہل صحیفہ

میں اختلاف ونزاع کا فیصلہ اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے ہوگا (۱۱) اِس صحیفے کے ذریعے یثرب کی وقتی قیادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوگئی، معاہدہ کے مطابق اختلاف کے وقت حکَم کی ضرورت تھی جو رسول اللہ ﷺ تھے، اِس طرح اسلامی حکومت کا گویا سنگِ بنیاد رکھ دیا گیا۔ اور اِس طرح رسول اللہ ﷺ نے انارکی اور طاقت پرستی کا خاتمہ کردیا اور بلادِ عربیہ میں پہلی بار امت کے حق کو قبیلے کے حق پر فوقیت دی اور اقامتِ حدود کا مرجع اللہ کی شریعت کو بنایا اور اس کا نفاذ اس کے رسول ﷺ کے ذمہ ہوا۔ جب کہ اُس وقت تک یہ اختیار طاقتور قبیلے کے پاس ہوتا تھا جو قصوروار اور بے قصور میں کوئی فرق نہیں کرتا تھا۔

اِس طرح یثرب کے پناہ گزیں نے تہذیب وتمدن کی بنیاد سب سے زیادہ وحشت وتشدد پسند قوم کے درمیان رکھی اور اُس سلطنت کا سنگ بنیاد رکھا جو صدیوں تک پھولی پھلی اور جو مشرق کے لئے لائقِ فخر اور مغرب کے لئے باعثِ رشک بنی رہی۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی فراست سے یہ سمجھ لیا تھا کہ آپ ﷺ جو نظام پہلے مدینہ کے لئے اور پھر ساری دنیا کے لئے قائم کرنا چاہتے ہیں، اس کی ضمانت دستوری صحیفے نہیں دے سکتے کہ قوم کے مزاج میں سختی، فتنہ پروری اور عصبیت ہے اس لئے دعوت کی حمایت اور صحیفے کے نظام اور نئے وطن کے دستور کی حفاظت کے لئے قوت کی ضرورت ہے اور وہ قوت مؤمنین ہی کے دست وبازو میں ہوسکتی ہے، جنہوں نے حبشہ ومدینہ کی ہجرت کی اور پرانے نظام اور جاہلیت وعصبیت سے بغاوت کی، چنانچہ وہی اُس حریت ونظام کے حامی ہوسکتے ہیں جسے پیغمبر ﷺ لے کر آئے تھے، جیشِ محمدی کی پہلی فوج مہاجرین اور دوسری انصار تھے، یہ وہ رضا کار تھے جن

کے دل کی آواز دعوت تھی، اِس حریت ونظام کا سہارا مہاجرین وانصار ہی تھے، اگر چہ قریش اورانصار میں پرانی رقابت تھی اوراہل مدینہ کی باہمی آویزش رسول اللہ ﷺ کی آمد سے کچھ قبل قبیلۂ اوس کا خاتمہ کردینے کے قریب تھی۔

اِس طرح مہاجرین وانصار کی فوج کی تیاری اورتربیت کے ذریعے اُسے ایک مضبوط وحدت بنادینا (جس کا مقصد دعوت کی مدد وحمایت اورجس کا ذریعہ نظم واطاعت اورجس کا سرمایہ ایمان ویقین ہو) وہ عظیم کارنامہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ کی عسکری صفت ظاہر ہوئی مدینہ میں آنے کے ۶/ ماہ بعد ہی آپ ﷺ یہ فوج تیار کرنے لگے تھے، اور دوسال بعد آپ ﷺ نے اُس کی مدد سے سازوسامان میں فائق اوراپنے سورماؤں کے لئے مشہور اورتعداد میں تگنی فوج سے ٹکرلی اورلوگوں نے نظم وتربیت کا معجزہ دیکھا اور بدر کی شکست کے بعد پھر بت پرستی سر نہ اُٹھاسکی اوروہ جیش محمدی فرانس اور ہندوستان تک پہنچ گیا۔

آپ ﷺ نے یثرب میں اپنے پیروؤں کو عصبیت کا شکار دیکھا تو انہیں مواخات کی دعوت دی اور ہر قریشی کواوس وخزرج کے کسی آدمی کا بھائی بنادیا اوریہ للّٰہی اخوت تمام قبائل میں عام ہوگئی اور یہ عقیدہ کی اخوت نسبی اخوت سے بڑھ گئی (۱۲) اوراسی کو میراث بھی ملنے لگی، آپ کو کتبِ سیرت میں اس مواخات کا بیان اوراسماء وانساب کی تفصیل ملے گی، وہ بعد میں امت اسلامیہ کی اساس اور ہر اسلامی معرکے میں فتح ونصرت کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

ابوسفیان فتحِ مکہ کے موقع پرجیشِ محمدی کا نظارہ کررہے تھے جب کوئی نئی فوج گذرتی تو پوچھتے کہ یہ کون ہیں؟ تو انہیں سُلیم، مُزینہ اور دوسروں کے نام بتائے جاتے جن کووہ کوئی خاص اہمیت نہیں دے رہے تھے۔

جب سبز فوج گزری تو حضرت عباسؓ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہ مہاجرین وانصار ہیں اس پر ابوسفیان کہنے لگے کہ ابوالفضل! اس کا تو کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا تمہارے بھتیجے کی مملکت آج بہت بڑی ہوگئی ہے (۱۳) اِس للٰہی اخوت نے (جس نے قبائلی رسوم اور جاہلی عصبیت کو ختم کیا اور جس پر رسول اللہ ﷺ نے خاص توجہ کی تھی) امت عربیہ کو اختلال وانتشار سے نکال کر وحدت واجتماعیت کی زندگی بخشی اور اسلامی حکومت کو تاریخی مقام عطا کیا۔

پیغمبر ﷺ بیحد سنجیدہ، انجام سے واقف، بیدار مغز اور صاحب فکر ونظر تھے، انہوں نے محسوس کیا کہ یثرب کے امن کے لئے مسلمانوں اور یہود ومشرکین کو آزادی دینے والا خالی دستور کافی نہیں ہوسکتا اور نہ مسلمانوں میں مواخات ہی مدینہ کو داخلی امن دے سکتی ہے، جب تک کہ مدینہ سمندر میں ایک جزیرہ کی طرح رہے کہ وہ مشرکین کی اجازت ورعایت کے بغیر کہیں سے رابطہ نہ قائم کرسکے اور وہ اس سمندر میں جس کی دینی قیادت قریش کے ہاتھوں میں ہے، ہجرت سے پہلے کے مقابلے میں زیادہ خطرے میں ہے، الّا یہ کہ قریش اور عرب اس سے صلح اور اس کے وجود کو تسلیم کرلیں، ہم آگے دیکھیں گے کہ آپ ﷺ نے اس خطرے کا علاج کس طرح کیا اور خطرے میں گھرے مدینہ کو جزیرۃ العرب کا مرکز اور چند سالوں میں اسلامی سلطنت کا دارالسلطنت کس طرح بنادیا۔

آپ ﷺ مدینے میں دوراہے پر تھے، ایک راستہ وہ تھا جسے بعض غیر مسلم اہل قلم اور بعض کوتاہ نظر پسند کرتے ہیں جو زندگی کی مشکلات اور بشری رکاوٹوں کے وقت عاجز رہ جاتے ہیں اور دوسرا راستہ تھا جس پر اللہ نے آپ ﷺ کو چلایا تاکہ وہ قول وفعل میں مَثَلِ کامل بن سکیں، پہلا راستہ سلبی تھا اور دوسرا عملی، پہلے میں تو

آپ ﷺ مدینہ میں بھی مکے کی طرح ایک واعظ و مرشد کی حیثیت میں رہتے اور مدینے کے معاہدہ کرنے والوں کی حمایت کے بھروسے رہتے اور قریش، مدینہ کے پاس کے اَعراب کا انتظار کرتے کہ اگر وہ احسان کر کے انہیں گوشۂ عزلت میں چھوڑے رہیں تو ان کا کرم ہو اور اگر ان کا خاتمہ کر دیں تو اُنہیں شہادت اور اِن کو فخر کا موقع ملے، عملی راستہ یہی تھا کہ آپ ﷺ اس خطرے کا احساس کرتے اور اسے دور کرتے اور اپنی دعوت پر ثابت قدم رہ کر اپنا مقصد حاصل کرتے اور انصار و مہاجرین کی عزت و سلامتی کا بندوبست کرتے، جو آپ ﷺ نے کیا۔

رسول اللہ ﷺ اُن واعظوں میں نہ تھے جو دنیا پر گذرتے ہوئے کلمۂ خیر کہہ دیتے ہیں اور پھر مڑ کر نہیں دیکھتے کہ وہ ہوا میں اڑ گیا کہ باقی رہا، آپ ﷺ اپنی رسالت اور کامل مردانگی کے سبب ایک دوسرے ہی شخص تھے، آپ ﷺ سراپا سنجیدگی، عملی انسان اور راسخ الایمان تھے جو باطل کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔

آپ ﷺ مدینہ میں کوئی خانقاہ بنانے نہیں آئے تھے کہ اس کے لئے یہود و مشرکین کی حمایت مانگتے، وہ مزاجاً سلبی اور طے شدہ ناکامی کے راستے پر چلنے والے انسان نہیں تھے، آپ ﷺ پر بعض اہل مدینہ نے تو ایمان لا کر مدد کی اور مشرکین نے مکہ پر فخر کرنے کے لئے اور اس کی تجارت کو مدینہ کی طرف موڑنے کے لئے اُن کا ساتھ دیا، اور مدینہ کے یہود اپنے کو اللہ کی محبوب قوم اور نبوت کے لئے مخصوص سمجھتے تھے، وہ آپ ﷺ کے ذریعے عربوں پر فخر کرنا اور اپنا مفاد حاصل کرنا چاہ رہے تھے۔

مدینہ میں مہاجرین آتے ہی یثرب کے بخار میں مبتلا ہوئے (۱۴) اور اپنی عورتوں کے بانجھ ہونے کے شک میں پڑ گئے لیکن جب حضرت زبیرؓ کی بیوی

حضرت اسماءؓ کے یہاں ولادت ہوئی تو انہیں عید جیسی خوشی ہوئی (۱۵) نیز مکہ میں ان کے مال واسباب رہ جانے سے وہ فقر سے بھی دوچار تھے، اِن سب باتوں پر قابو پانے کے لئے محنت وعمل کی ضرورت تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی عقل سلیم اور حسن سیاست کا ایسا ثبوت دیا جو کسی زمانے میں کسی فاتح و مصلح نے نہیں دیا تھا۔

اب تک اختصار سے مدینہ کی حالت، یہود کی امیدوں، مشرکین کی توقعات اور مسلمانوں کی سرگرمیوں کا بیان کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حقیقت پسندی اور فیصلہ کن عمل کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، اب ہم مکہ اور مدینہ کے پڑوسی مشرکین کا جائزہ لیں گے تاکہ آپ ﷺ کے حُسنِ سیاست اور ناممکن اور محال صورتِ حال پر غالب آنے کا کارنامہ سامنے آسکے، عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ مکہ ایک فقیر ومحروم قصبہ تھا جو وادیٔ غیر ذی زرع میں واقع تھا، یہ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ دعوتِ اسلامی کے ظہور کے وقت مکہ مالدار شہروں میں سے ایک تھا، بلکہ عالَم قدیم کا ایک بڑا تجارتی بازار تھا اور قریش کے لوگ ہمت والے تاجر اور دوسری قوموں سے واقف لوگ تھے، شاید ان کا جغرافیہ اور فطری محرومی ہی نے ان کی ہمت افزائی کی اور ان کی سرگرمیوں میں اضافہ کیا اور انہوں نے سیاحت وتجارت اختیار کی، کیا ہم نے قدیم تاریخ میں فینیقیوں اور جدید تاریخ میں برطانیہ کی مہم جوئیاں نہیں دیکھی ہیں؟ ان قوموں کی کامیابی کا راز ضروریاتِ زندگی سے محرومی تھی جس نے انہیں مہم جوئی اور عالمی بازاروں سے روزی کمانے پر مجبور کیا اور وہ بنجر علاقوں میں مالدار ہوگئے، اِسی طرح دعوتِ محمدیہ کے ظہور کے وقت اُس کے باشندے خوشحال اور عالَمِ قدیم کی پیداواروں سے مالامال تھے۔

مستشرق اسپرنگر لکھتا ہے کہ ''ہجرت کے وقت مکہ کی درآمدات کی قیمت ڈھائی

لاکھ سونے کے دینار سے کم نہ تھی، ایک دینار ۱۵ر پونڈ کا ہوتا ہے یعنی مصری گنی کا دوثلث، اگر اُس زمانے میں اچھی دھاتوں کی قیمت اور اسپر نگر کی صرف درآمدات کی قیمت کو ذہن میں رکھیں تو ہم مکہ کے تبادلے کے سامانوں کا اندازہ کر سکتے ہیں، جو یمن وحبشہ اور رومن و پرشین ایمپائر کے درمیان تجارتی واسطہ تھے، اور وہ تجارت کسی گھرانے یا کسی جماعت تک محدود نہ تھی بلکہ آپ کتبِ سیرت میں دیکھیں گے کہ جب بدر سے پہلے ابوسفیان نے قافلۂ قریش کے لئے خطرہ محسوس کیا تو انھوں نے پورے مکہ کو کھڑا کر دیا اور ایک ہزار کی فوج تیار ہوگئی جس میں سو گھوڑے اور سات سو اونٹ تھے اور جب قریش کو بدر میں شکست ہوئی تو اہل مکہ نے ابوسفیان کے پورے قافلے کو مع سامان صدقہ کر دیا تا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اصحاب سے انتقام لے سکیں، مکہ کی اس وسیع تجارت کا نفع ڈیوڑھا ہوتا تھا جس سے وہ عیش کرتے تھے، اس کے ساتھ تمام حاجیوں کی ضیافت بھی کرتے تھے اور اسے شراب وجوا، باندیوں اور لہو ولعب میں بھی صرف کرتے تھے۔

اس کے برعکس مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کی حالت بعض گذشتہ احادیث سے ظاہر ہے، مہاجرین کے گھر اور اموال مکہ ہی میں رہ گئے تھے، مدینہ میں ایمان کے سوا دنیا کی کوئی شے نہ تھی، صحابی ابن عمیرؓ کے پاس تن ڈھانکنے کے کپڑے بھی نہ تھے، حضرت علیؓ ایک یہودی کے باغ میں کام کرتے تھے جہاں ایک ڈول پانی بھرنے پر انہیں ایک کھجور ملتی تھی جو کُل مٹھی بھر ہوتی تھی، اور رسول اللہ ﷺ ایک بار مسجد سے نکلے تو حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کو بھی باہر دیکھا اور اُن سے پوچھا کہ تمہیں کس بات نے نکالا؟ دونوں نے کہا بھوک نے اُس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بھی بھوک ہی نے نکالا ہے (۱۶) مکہ چھوڑتے وقت رسول

اللہ ﷺ اور اہل مکہ کی زندگیوں کا فرق معلوم ہے جو دعوت کی اشاعت اور شرک سے رکاوٹ کا سبب نہیں بن سکتا تھا، قریش اُن سے استہزاء کرتے تھے اور مدینہ سے گزرتے ہوئے اپنی تجارت وحیثیت کا مظاہرہ کرتے، کمزوروں کو ورغلاتے، اور ہبل کے نام پر اُن کو پکڑتے اور لات وعزّیٰ کے لئے ستاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رسالت کے لئے مخلص اور اپنے اصحاب کے وفادار تھے اور اُن کی ہمت وشجاعت اُن کو ذلت میں نہیں ڈال سکتی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے وہ فیصلہ کن عمل اپنایا جس سے قریش کے ہوش ٹھکانے لگے آپ ﷺ نے اُن کی سب سے عزیز شئے تجارت پر ہاتھ ڈالا اور مدینہ کے گرد اَعراب ومشرکین کا حصار ختم کیا اور یہود کے ذریعے پیدا کردہ اوس وخزرج اور مسلمین ومشرکین کے اختلاف ختم کر کے مدینہ کو گہوارۂ امن بنادیا۔

آپ ﷺ کے تین اغراض تھے جن کا ادراک ضروری ہے، ایک تو قوت کا حصول، دوسرے اس کی تنظیم، اور تیسرے اعلیٰ مقاصد کے لئے اس کا استعمال، اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ سابق رسولوں سے ممتاز تھے، مدینہ کی تعمیر، مہاجرین وانصار کی تربیت، اور اُن کو دنیا کے مقابلے پر کھڑا کر دینا نازک اور بڑا امتحان تھا جس سے رسول اللہ ﷺ ایک مصلح اور حکمراں کی حیثیت سے دوچار ہوئے اور اُس میں آپ ﷺ کا سیاسی وعسکری حُسنِ ذوق ظاہر ہوا جو آپ ﷺ کے اخلاقِ فاضلہ کی طرح تھا۔

# مراجع ومصادر

(۱) صحیح بخاری ج:۱ص/۱۵۲
(۲) ترمذی ج:۱ص/۱۴۶
(۳) سبل الہدیٰ والرشاد ج:۵ص/۲۴۴
(۴) البدایۃ والنہایۃ ج:۱ص/۶۸۵
(۵) سبل الہدیٰ والرشاد ج:۲ص/۴۴۱
(۶) ترمذی ج:۲ص/۶۰
(۷) صحیح بخاری ج:۱ص/۴۳۶
(۸) صحیح بخاری ج:۱ص/۱۶۳
(۹) سبل الہدیٰ والرشاد ج:۵ص/۲۲۶
(۱۰) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/۴۹۶
(۱۱) سبل الہدیٰ والرشاد ج:۲ص/۳۶۳
(۱۲) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/۵۰۱
(۱۳) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/۴۰۴
(۱۴) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/۵۸۸
(۱۵) تاریخ طبری ج:۲ص/۱۰
(۱۶) صحیح مسلم ج:۱ص/۱۷۶

# ۱۱

# فوجی تربیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اثرات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچنے کے چھ ماہ بعد فوجی قیادت کا ایک جھنڈا حضرت عبیدہ بن الحارث بن مطلب رضی اللہ عنہ کو عطا کیا (۱) اس کے بعد مسلسل غزوات وسرایا کا سلسلہ شروع ہوگیا، بدر سے پہلے کے سرایا میں بظاہر قریش کونشانہ نہیں بنایا گیا لیکن ان کا سیاسی وعسکری فائدہ ہوا جو حکومت کے استحکام کے لئے ضروری تھا، انہوں نے مہاجرین کے حوصلے بڑھادیئے اور یثرب کے بخار (۲) سے نجات دے کر اُن میں چستی پیدا کردی اور مسلمانوں کو ایک متحدہ قیادت کے تحت متحدہ عمل کا عادی بنادیا جس میں حسب ونسب اور قبائلی عصبیت کا کوئی دخل نہیں تھا اور وہ مسلسل فوجی سرگرمیاں فیصلہ کن معرکہ کے لئے مستقل تربیت اور ٹریننگ کا حصہ تھیں۔

مدینہ نے اِن فوجی سرگرمیوں سے جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوت کا مقابلہ قوت سے کرنا چاہتے ہیں اور اَعراب نے بھی محسوس کرلیا کہ قریش سے تعرض کرنے والے آدمی سے چھیڑ چھاڑ نہیں کی جاسکتی ورنہ اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں کمزوری پاتے تو وہ مدینہ پر حملہ کردیتے اور وہاں کی لوٹ مار کو اپنے فخر اور عورتوں کے لئے گیت گانے کا ذریعہ بنالیتے۔

اِسی طرح قریش کو بھی یہ احساس ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب جنہیں انہوں نے بغیر حق اور خداپرستی کے جرم میں نکالا تھا، مدینہ میں جا کر ان کی اقتصادی

زندگی کے لئے خطرہ بن گئے ہیں اگر چہ دینی زندگی کے لئے اتنے خطرناک نہیں ہیں۔

انہوں نے سمجھ لیا کہ جس طرح انہوں نے اُن کے عقیدے میں مداخلت کی تھی اُسی طرح وہ اُن کی عزیز شے تجارت میں مداخلت کر رہے ہیں اور اگر وہ تجارتی آزادی چاہتے ہیں تو اُنہیں آزادئ عقیدہ کا اعتراف کرنا ہوگا اور یہ چیز آپ ﷺ کو صلح حدیبیہ میں بدر و احد اور احزاب کے خونی حوادث کے بعد حاصل ہوئی۔

وہ فوجی مشقیں دو سال تک جاری رہیں پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندازہ کرلیا کہ اُن کے اصحاب میں ایسی طاقت آ گئی ہے جو کسی معرکے کے بعد عربوں میں اُن کا مقام بلند کرسکتی ہے تو آپ ﷺ نے اس میں دیر نہیں کی اور بدر میں پہنچ کر قریش کا انتظار کرنے لگے جو سروسامان اور افرادی قوت کے ساتھ اُن کے مقابلے پر آئے اُس کے ایک ہزار جوان (۳) عصری اسلحے سے لیس تھے اور اُن کے ساتھ سو گھوڑ سوار (۴) اور سات سو اونٹ تھے۔ (۵)

دوسری طرف آپ ﷺ کے ساتھ ۳۱۴ پیدل لوگ تھے (۶) (مشہور روایت ۳۱۳ کی ہے) اور اُن کے پاس صرف تلواریں تھیں اور تین گھوڑے (۷) اور قریب ستّر اونٹ تھے (۸) اس موقع پر آپ ﷺ نے اصحاب کی جنگی تیاری کا اندازہ کرنے کے لئے اُن کی رائے پوچھی، مہاجرین تو بہت کُھل کر بولے حتیٰ کہ مقداد بن عمروؓ نے کہا کہ ''یارسول اللہ! آپ ضرور چلیں'' (بخدا جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے) اگر آپ ﷺ ہمیں برک الغماد (یمن) تک بھی لے چلیں گے تو ہم چلیں گے اور وہاں تک لڑتے چلیں گے، رسول اللہ ﷺ نے اُن کا شکریہ ادا کیا (۹) پھر انصار کی طرف رخ کر کے فرمایا آپ لوگ بھی مشورہ دیں (یہ اس لئے تھا کہ انصار نے داخلی طور پر

مدد کی بیعت کی تھی، اس لئے آپ ﷺ کو اندیشہ ہوا کہ وہ بیرونی دشمن سے لڑنے سے انکار نہ کر دیں) اس پر سعد بن معاذؓ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! شاید آپ ﷺ کا روئے سخن ہماری طرف ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہے۔ تو سعدؓ کہنے لگے کہ ہم آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی تصدیق کی اور گواہی دی کہ آپ ﷺ جو لائے ہیں وہ حق ہے۔ اور ہم نے سمع وطاعت کا اقرار کیا تو اب آپ ﷺ کا جو ارادہ ہے اُس پر عمل کیجئے ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں، خدا کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ﷺ حکم دیں گے تو ہم اس سمندر میں آپ ﷺ کے ساتھ گھس جائیں گے اور ہم میں سے کوئی پیچھے نہ رہے گا، ہمیں تو یہ بھی ناپسند ہے کہ دشمن سے ہمارا مقابلہ آج کے بجائے کل ہو، ہم جنگ میں ثابت قدم رہنے والے لوگ ہیں، شاید اللہ آپ ﷺ کو ہمارے ایسے کام دکھائے جن سے آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ تو اللہ کا نام لے کر ہمیں لے چلئے۔

حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ چلو اور خوشخبری لو اِس لئے کہ اللہ نے مجھ سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے، بخدا! میں گویا اُس قوم کے گرنے کی جگہیں دیکھ رہا ہوں (۱۰) بدر سے پہلے فوج میں یہ روح کارفرما تھی جس کی ترجمانی مہاجرین اور انصار نے کی، وہ پاک نفوس گویا ایمان کے سانچے میں ڈھلے تھے اور سمع وطاعت اور نظم وتربیت نے اس پر صیقل کر دیا تھا، اور قائد کی فراست مشورہ طلبی میں ظاہر ہوئی، وہ بار بار لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ لوگو! مجھے مشورہ دو حالانکہ وہ جانتے تھے کہ اگر وہ انہیں لے کر سمندر میں کود پڑیں یا صحرا میں داخل ہو جائیں تب بھی وہ اُن کی مخالفت نہیں کریں گے، مگر شرافت اور وفاداری کا تقاضا تھا کہ وہ انصار کی رائے بھی اُس جنگ کے لئے

معلوم کرلیں جس کے لئے اُنہوں نے ابھی تک بیعت نہیں کی تھی۔

پھر جب معرکہ بپا ہوا تو قلتِ تعداد وسامان، کثرت پر غالب آگئی جب کہ دونوں فریق عرب اور بہادر تھے مگر جیشِ محمدی کا پلہ دو باتوں سے بھاری رہا، ایک نظام دوسرے موت سے بے خوفی، لوگوں نے بدر میں اِس نظام کا معجزہ اُس وقت دیکھا جب مشرکین کے گھوڑوں نے پیوستہ صفوں پر حملہ کیا مگر وہ انہیں ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹا سکے اور حیران ہو کر واپس ہوئے کہ انہوں نے کچھ ایسا دیکھا جسے سنا بھی نہ تھا انہوں نے تو یہ سن رکھا تھا کہ جب گھوڑے حملہ آور ہوتے ہیں تو جنگ سے واقف کاروں کے مطابق اُن کی بڑی دہشت ہوتی ہے، اور پیدل فوج کے لوگ اُن کے آگے بہت کم ٹِک پاتے ہیں، بدر میں لوگوں نے دیکھا کہ تین سو لوگ جنہیں رسول اللہ ﷺ نے تربیت دی تھی اور منظّم کیا تھا وہ اللہ کے راستے میں دنیا سے جہاد کے لئے نکلتے ہیں تو زمین اُن کے لئے کھول دی جاتی ہے، غزوۂ بدر سے لوگوں نے نظام اور موت سے بے خوفی کی قیمت سمجھی، اسی طرح انہوں نے بعد میں غزوۂ خندق میں دیکھا کہ زندگی سے زیادہ حق کو چاہنے والوں نے کس طرح اپنے شہر سے قبائل کے جمّ غفیر کو واپسی پر مجبور کر دیا اور یہ ظاہر ہوا کہ حُسنِ انتظام کس طرح تعداد اور سروسامان پر غالب آتا ہے۔

خندق یا احزاب کی جنگ میں نفاق ظاہر ہوا اور یہود نے رسول اللہ ﷺ کا عہد توڑ دیا اور اُدھر دشمن مدینہ کے نیچے اور اوپر سے آپہنچا اور مسلمانوں پر سخت لرزہ طاری ہو گیا، لیکن منظّم فوجوں کی محمدی تربیت اور حالات پر غالب آنے والی قیادت اور عقل سلیم، حسن تدبیر اور صبر وشجاعت نے قبائل کو راتوں رات مدینے سے بھاگنے پر مجبور کر دیا، گھبراہٹ میں مکی فوج کا سردار اونٹنی پر سوار ہو جاتا ہے اور وہ رسّی نہ کھلنے

کے سبب تین پاؤں پر چلتی نظر آتی ہے۔

اِسی ماہرانہ محمدی قیادت نے اُحد میں مدینہ کو بچایا تھا کہ ابھی فوج صدمہ سے باہر بھی نہیں ہوئی تھی کہ اسے حرکت اور دوسری فوج کے پیچھا کرنے کا حکم دیدیا اور اگر نظم وطاعت کی سرعت نہ ہوتی تو قریش مدینہ پر ہلّہ بول کر مسلمانوں کی باقی فوج کا خاتمہ کردیتے، تربیت یافتہ فوج کی ماہر قیادت نے قریش کو پسپائی پر مجبور کردیا اور کُل کے شکست خوردہ فاتح کا پیچھا کرنے لگے۔

یہ تو چند مختصر مثالیں تھیں جن کی تفصیل آپ کو کتبِ تاریخ میں ملے گی اور رسول اللہ ﷺ کی حکومت وقیادت اور حُسنِ سیاست اور طالبانِ حق کو ذات گرامی کی جامعیت معلوم ہوسکے گی، یہ عجیب بات ہے کہ وہ فوجی مشقیں، جنگی واقعات اور رائے وتدبیر جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا اُس نے محمدی حکومت قائم کی جو بشری تاریخ کی ایک عظیم مملکت کی بنیاد بنی، مگر وہ حکومت مقصد نہیں تھی، ہم تاریخی حقیقت اور اپنے نتیجہ بحث کے ساتھ ناانصافی کریں گے اگر ہم لوگوں کو حکومت کو رسول اللہ ﷺ کا اصل مقصد سمجھنے کی غلط فہمی میں پڑا رہنے دیں جب کہ واقعہ یہ ہے کہ حکومت تو ضمنی چیز تھی اور اُس اصل مقصد کا وسیلہ تھی کہ شرک کا خاتمہ ہو اور توحید بت پرستی کی جگہ لے۔ جب مکہ نے مسلمانوں پر ظلم وزیادتی کی حد کردی اور اسلامی عقیدہ کی زندگی اور آزادی اور دعوت کے امکانات حاصل کرنے کی پیمبرانہ مساعی ناکام رہیں تو آپ ﷺ نے قوت کو قوت سے دفاع کا فیصلہ اور مذاہب کی آزادی کا مطالبہ کیا جس کے بارے میں قرآن میں ہے کہ ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوَاتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا﴾ (سورۂ حج: ۴۰) ''اگر اللہ انسانوں کا دفاع انسانوں کے ذریعے نہ کرتا (یعنی اہل حق کو اہل

باطل پر وقتاً فوقتاً غالب نہ کرتا رہتا) تو گرجے اور کلیسے (نصاریٰ کے) نماز کی جگہیں (یہود کی) اور مساجد (مسلمانوں کی) جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے، منہدم کردی جاتیں"۔

اِس ساری مسلح جدّ وجہد کا مقصد ایک ہی بنیادی شے یعنی ایک وحشی قوم میں عقیدے کی آزادی کی بحالی تھی چنانچہ سید الابطال ﷺ کی تنظیمی اور سیاسی صفات بھی اُسی طرح حیرت انگیز طور پر ظاہر ہوئیں، جس طرح مکے میں عقیدہ پر ثابت قدمی، مصائب پر صبر وضبط، دعوت کی صراحت، وسائل کی صحت، اور مقصد کی وضاحت کی شکل میں ظاہر ہوئی تھیں، ہم سید الابطال ﷺ کی مدنی سیاست کے حقیقی غرض ومقصد یعنی دینی آزادی پر عنقریب گفتگو کریں گے۔

## مراجع ومصادر


(۱) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/۵۹۱

(۲) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/۵۹۰

(۳) دلائل النبوۃ ج:۳ص/۴۲

(۴) طبقات ابن سعد ج:۲ص/ ۱۵

(۵) التاریخ الکامل ج:۲ص/ ۱۱۸

(۶) ایضاً

(۷) سبل الہدیٰ والرشاد ج:۴ص/ ۲۵

(۸) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/۶۱۳

(۹) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/ ۶۱۵

(۱۰) ایضاً

## ۱۲

# غزوۂ بدر کا فوجی پہلو

معرکۂ بدر پر کچھ تفصیلی گفتگو بہت مفید ہوگی کیونکہ مسلمانوں کی فوجی تاریخ میں اس کا گہرا اثر پڑا ہے اور معرکۂ بدر پر بحث سے پہلے بدر کے پہلے اور بعد میں جزیرۃ العرب کی فوجی حالت کا جائزہ بھی ضروری ہے اُس وقت کی دنیا کی طرح عرب بھی اقسامِ جنگ سے واقف تھے، پڑوسی قوموں کی طرح فنون وآلاتِ حرب سے بھی آگاہ تھے اور قریش دوسرے قبائل کے مقابلے میں دولت مند، سفر کے عادی اور دنیا سے واقف تھے، اُن کو جزیرہ کی دینی قیادت بھی حاصل تھی اور مکہ اُن کا مرکزِ طاقت تھا جہاں وہ فوری طور پر فوجی تیاری کر سکتے تھے، اسی وجہ سے دینی قیادت کے ساتھ انہیں فوجی قیادت بھی حاصل تھی، اسی لئے رسول اللہ ﷺ کی مہم یہ تھی کہ قریش اور جزیرۃ العرب سے یہ قیادت ختم ہو جائے تیرہ سال کے تجربے کے بعد آپ ﷺ دین کی پُرامن دعوت دیتے رہے مگر قریشی اقتدار کے سبب عقیدے کی آزادی نہ حاصل کر سکے، اُن کے اقتدار کو چیلنج کرنا ضروری تھا، اس لئے نہ غزوۂ بدر مقصد تھا اور نہ قافلۂ قریش تھا بلکہ قریش کی فوجی قوت پر ضرب لگانا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محسوس کر لیا کہ اُن کے اصحاب، نظام، روحانیت واجتماعیت اور راہِ حق میں فنائیت میں اتنے پختہ ہو چکے ہیں کہ اُن کے ساتھ پہلے باقاعدہ معرکے میں جزیرۂ عربیہ کے سرداروں سے مقابلہ کر سکتے ہیں

اگر آپ ﷺ یہ نہ جانتے اور قریش کے مقابلہ سے ڈرتے تو شام کے راستے میں ان کے قافلہ کا سامنا کرتے جو اُن کے لئے آسان تھا کیونکہ وہ بدر کے مقابلے مکے سے زیادہ دور تھا، مگر آپ ﷺ نے قافلۂ تجارت کا قصد نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ قریش کا مقابلہ بھی پسند کیا۔

رسول اللہ ﷺ بدر میں ایسی فوج کے ساتھ آئے جس کے پاس قریش کی طرح ساز وسامان نہیں تھا، اس کے پاس کُل دو یا تین سوار تھے (۱) اور تلواروں کے علاوہ زرہیں اور دوسرے ہتھیار نہیں تھے، سامان ڈھونے کے اونٹ بھی نہ تھے، جب کہ قریش ساز وسامان سے لیس تھے، اُن کے سواروں کی تعداد ۱۰۰ ارتھی (۲) اور اصحاب کے مقابلے میں ان کی پیدل فوج تگنی تھی (۳) اور اُن کے پاس اتنے اونٹ تھے کہ وہ روزانہ کھانے کے لئے دس اونٹ ذبح کر سکتے تھے (۴) اور مالداری کے سبب اُس وقت کے معروف ہتھیار انہیں حاصل تھے اس کی ایک وجہ ان کی ہمہ وقتی اور اُس وقت کی فوجی تیاری بھی تھی، لیکن اصحاب رسول ﷺ ایک دوسری شے کے مالک تھے جس سے انہوں نے سامان اور تعداد کی تلافی کی اور وہ یہ تین باتیں تھیں، پہلا امر نظام تھا، محمدی تربیت خواہ وہ عبادت اور عقیدۂ توحید یا حُسنِ عمل کے ساتھ توکل سے متعلق تھی، یا دینی و دنیوی عمل میں مساوات کے لئے تھی یا عقیدے کے لئے شہادت کو زندگی اور اہل وعیال پر ترجیح کے لئے تھی اس نے اور رسول اللہ ﷺ واولوالامر کی اطاعت کی عادت نے اُن میں ایسی قوت پیدا کر دی تھی جس سے عرب ناواقف تھے۔

یہ نظام کی قوت تھی جس سے مسلمانوں کا فوجی دستہ مشرکین کی فوج پر غالب آ گیا، دوسری چیز معنوی قوت تھی جس سے اسلام نے اُن کے دلوں کو بھر دیا تھا وہ

مشرکوں کے برخلاف حشر کا عقیدہ رکھتے تھے اور موت کو فنائے مطلق نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کو یقین تھا کہ اُس کے بعد شہادت کی فضیلت کے ساتھ اِس زندگی سے ایک اور بہتر اور دائمی زندگی بھی ہے اُس کی ایک مثال یہ ہے کہ مسلمانوں کی فوج میں ایک سولہ سالہ نوجوان نے جب رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کو جنگ کی ترغیب دیتے اور جنت کا وعدہ کرتے سنا تو وہ کہنے لگا کہ میرے اور جنت کے درمیان اِن کھجوروں کے سوا کوئی چیز حائل نہیں اور کھانے والی کھجوروں کو پھینک دیا اور اپنی تلوار سے مشرکین سے لڑنے لگا اور بہادری سے لڑتے ہوئے اپنی مطلوبہ موت سے ہم کنار ہو گیا (۵) تیسری شے وحدتِ قیادت تھی، جس کے لئے مسلمان ممتاز تھے اور وہ اخلاص کے ساتھ اپنے قائد پر جان چھڑکنے کے لئے تیار رہتے تھے، اِس بات نے بھی اُن کی قوت میں اضافہ کر دیا تھا۔

اثنائے معرکہ میں رسول اللہ ﷺ نے صف درست کرتے ہوئے ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ صف سے کچھ باہر تھے تو آپ ﷺ نے انہیں کچوکہ دیا جس پر وہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی تو مجھے بدلہ دیجئے اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا پیٹ کھول دیا اور کہا کہ بدلہ لے لو تو اُن صاحب نے بطنِ نبوی کو چوم لیا، آپ ﷺ نے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا تو وہ کہنے لگے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ میری زندگی کا آخری وقت نہ ہو۔ (٦)

یہ اہم اسباب تھے جن سے مسلمانوں نے سامان اور تعداد کی تلافی کی، لیکن یہ نہ سمجھئے کہ قریش نظام اور معنوی قوت سے بالکل محروم تھے کیونکہ اُن میں بھی عربوں کا معروف نظام موجود تھا، غیرت تھی، فوجی برتری قائم رکھنے کا جذبہ تھا، حادثۂ نخلہ اور ابن الحضرمی کے قتل کا جوشِ انتقام تھا (۷) تجارت کی آزادی اور

اُس کے راستوں کی سلامتی کا عزم تھا جو اُن کو پوری قوت سے لڑائی پر آمادہ کر رہا تھا، اُن کے ایک آدمی نے قسم کھائی تھی کہ وہ محمدی فوج کے وسط میں حوض تک پہنچے گا، لیکن جب اُس کا ایک پاؤں کٹ گیا تو اس نے خود کو کسی طرح وہاں پہنچایا اور دوسرے پاؤں سے اُس حوض کا ایک حصہ توڑ دیا (۸) اس طرح جب ابو جہل زخمی ہوا تو اُس کے نزع کے عالم میں ایک مسلمان کا اُس پر گذر ہوا انہوں نے اُس کے گلے پر پاؤں رکھ کر کہا دیکھا اللہ نے تمہیں کیسا رسوا کیا؟

اُس نے جواب دیا کہ رسوا کیا کیا؟ میں مارا جاؤں تو اس میں کیا عار ہے؟ (۹) اِس سے آپ مسلمانوں کی اُس مہم کی عظمت کا اندازہ کر سکتے ہیں جو قریش کی فوجی سیادت کے خاتمے کے لئے اُنہیں درپیش تھی، معرکہ کے شروع میں اسلامی فوج شمال سے جنوب کی طرف بڑھی اور بدر کے میدان میں پہنچی تو اُس کے میمنہ میں اونچے ٹیلوں کا ایک سلسلہ تھا اور میسرہ پر کچھ کم اونچائی کے ٹیلے تھے اور مشرکین کی فوج بڑھی تو اُس کے سامنے بدر کے پچھّم میں ریت کا ڈھیر تھا، اور اُس کے میسرہ پر کم اونچائی کی ایک پتھریلی زمین تھی، اِن پہاڑوں اور ریتیلی زمین کے درمیان دونوں فوجوں کا ٹکراؤ ہوا، معرکہ سے پہلے کی رات سرد تھی کہ قریش کی جانب بہت زیادہ اور مسلمانوں کی طرف کم بارش ہوئی تھی، اس لئے آگے بڑھنے میں مسلمانوں کے مقابلے میں قریش کو زیادہ زحمت تھی، جب وہ صبح کو آگے بڑھے تو پورب میں سورج اُن کے سامنے تھا اور انہیں اُسی طرف جانا تھا جو اُن کی تکلیف کا باعث تھا۔ (۱۰)

معرکے کی شروعات میں رواج کے مطابق بنی ہاشم کے تین آدمی نکلے اور ان کے مقابلے کے لئے تین مشرک سردار نکلے اور چند منٹوں میں مسلمانوں نے اپنے مقابل کا خاتمہ کر دیا جو اُن کی اچھی شروعات تھی۔ (۱۱)

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک حکیمانہ حکم دیا کہ مسلمان فوج ایک دوسرے سے مل جائے اور اپنی جگہ سے نہ ہلے اور دشمن کے حملہ آور گھوڑوں پر تیر برسائے (۱۲) اس طرح قریش نے پہلی بار دیکھا کہ پیدل فوج بے خوف ہوکر گھوڑسوار فوج کا کیسے مقابلہ کرتی ہے، ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جنگ سے واقف کار اُس ہیبت کو جانتے ہیں جو سوار فوج کے حملے سے پیدا ہوتی ہے۔

بہر حال معرکہ گرم ہوا اور رسول اللہ ﷺ لوگوں کو ہمت دلا رہے تھے اور مشرکین اپنے ساز و سامان اور کثرتِ تعداد اور بہادری کے باوجود ایسی قوم سے لڑ رہے تھے جو صرف تلواروں سے اپنا دفاع کر رہی تھی اور موت کو زندگی پر ترجیح دے رہی تھی، بالآخر مشرکین کو شکست ہوئی اور مسلمانوں نے اُن کا پیچھا کر کے اُن کو نشانہ بنایا، عربوں کی عادت کے مطابق لوٹ کھسوٹ نہیں کی اور اِس طرح قریش رسوا کن فرار اور پہلی بار شکست سے دوچار ہوئے۔ اِس معرکہ میں قریش کے مارے جانے والوں کی تعداد پنج گنی تھی اور اِتنے ہی اُن کے قیدی بھی تھے (۱۳) مگر اس کی اہمیت نہیں کہ وہ کتنے مارے اور پکڑے گئے اور کتنی غنیمت ہاتھ آئی بلکہ اہم بات یہ ہے کہ قریش نے وادیٔ بدر میں جزیرۃ العرب پر اپنی قیادت کو دفن کر دیا اور یہ بھی اہم چیز نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دشمنوں کو گرفتار کر کے مدینے لے آئے، اہم بات یہ تھی کہ وہ اُس فوجی بالادستی کے ساتھ آئے جو مکہ سے مدینہ کو منتقل ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ مدینے اِس طرح لوٹے کہ زمانے پر آپ ﷺ کے فوجی نظام کی برتری ثابت ہو چکی تھی، اِس طرح بدر میں آپ ﷺ نے اسلامی فوج کے اصول وقواعد متعین کیے۔ بدر کے بعد اسلام پھیلتا رہا اور اُس کی فوجیں مشرق و مغرب میں بڑھتی رہیں، ملکوں پر قابض ہوتی رہیں، تخت وتاج کو تاراج کرتی رہیں اور دو باتوں سے

مشکلات پر غالب آتی رہیں ایک نظم وضبط اور دوسری موت سے بے خوفی۔

اور یہی دو باتیں آج بھی کامیابی کی اصول ہیں اور مسلمانوں کو اپنی پہلی قیادت جبھی مل سکتی ہے کہ وہ اپنی زندگی اور اپنی فوجوں کو اُنہیں بنیادوں پر قائم کریں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا اور جنہوں نے بدر میں دشمن کے کثرتِ سامان وتعداد اور اُس کی بہادری کے باوجود اُنہیں فتح عطا کی تھی۔

## مراجع ومصادر

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد ج:۴ص/ ۲۵-۲۴
(۲) طبقات ابن سعد ج:۲ص/ ۱۵
(۳) التاریخ الکامل ج:۲ص/ ۱۱۸
(۴) دلائل النبوۃ ج:۲ص/۴۲
(۵) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/ ۶۲۷
(۶) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/ ۶۲۶
(۷) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/۶۰۳-۶۰۲
(۸) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/۶۲۴
(۹) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/ ۶۳۶-۶۳۵
(۱۰) البدایہ والنہایہ ج:۲ص/۲۸۳-۲۸۲
(۱۱) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/ ۶۲۵
(۱۲) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/ ۶۲۶-۶۲۵
(۱۳) سیرت ابن ہشام ج:۳ص/۱۲۴-۱۲۲

۱۳

# آزادیٔ عقیدہ کا دفاع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فوجی سرگرمیوں اور مشرکین سے غزوات کا مقصد اپنی دعوت بلکہ تمام آسمانی مذاہب کی آزادی تھی، ہم نے عرض کیا تھا کہ صلح حدیبیہ بلکہ قرآن اس کی علامت ودلیل ہے، یہ قرآنی آیات ملاحظہ ہوں۔
﴿أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰه﴾ (سورۂ حج: ۳۹) ''جن لوگوں سے جنگ کی جاتی ہے اُنہیں جنگ کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ اُن کی مدد پر قادر ہے، جو لوگ اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے، صرف یہ کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے''۔

اِس آیت میں جنگ کی اجازت کا سبب عقیدے کی آزادی پر روک لگانا بتایا گیا ہے، چنانچہ اِسی آیت سے قتال وجہاد کی شروعات ہوئی، دوسری آیت میں فرمایا گیا۔﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ (سورۂ انفال: ۳۹) ''اور مشرکین سے لڑو تاکہ فتنہ باقی نہ رہے اور کُل دین اللہ کے لئے ہوجائے تو اگر وہ رُکتے ہیں تو اللہ اُن کے عمل سے واقف ہے''۔

اِس میں بھی قتال کا حکم منعِ فتنہ کے لئے ہے، یعنی عقیدہ کی زبردستی تبدیلی

جس سے اگر مخالفین رک جائیں تو اُن کا معاملہ خدا کے سپرد ہو جائے گا، اسی طرح دوسری آیت میں ہے۔ ﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۹۰) ''اور اللہ کی راہ میں اُن سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو''

تو قتال کا مقصد یہاں بھی آزادی کا دفاع ہے بشرطیکہ وہ خود زیادتی تک نہ پہنچے، ایک اور آیت میں قتال کا سبب حریتِ ادیان بتایا گیا ہے اور اس کا مقصد یہ بیان ہوا ہے کہ مسلمان نماز قائم کرسکیں، زکاۃ وخیرات دے سکیں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرسکیں ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوٰتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيراً وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهُ، إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ، الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ (سورۂ حج: ۴۰-۴۱) ''اگر اللہ بعض لوگوں کے ذریعے بعض لوگوں کا دفاع نہ کرتا تو بہت سے گرجے اور کلیسے، عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا بکثرت ذکر ہوتا ہے، ڈھادی جاتیں اور اللہ ضرور اُس کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے گا، بیشک اللہ قوی اور غالب ہے، مومن لوگوں کو اگر ہم زمین میں اقتدار دیں تو نماز قائم کریں گے، زکاۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے اور انجام کار اللہ ہی کے لئے ہے''۔ ان تمام آیات سے اسلامی جہاد کا مقصد فتنہ اور لوگوں پر ظلم سے اور عقیدے میں زبردستی سے روکنا ظاہر ہوتا ہے اور اس فتنہ کو قتل اور جنگ سے بھی برا مانا گیا ہے، آیتِ کریمہ ہے۔ ﴿يَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ

الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوْا﴾ (سورۃ بقرہ:۲۱۷) ''وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شہر حرام میں جنگ کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ اس میں جنگ بڑا گناہ ہے، اور اللہ کے راستے سے روکنا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں سے لوگوں کو نکالنا بھی اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے اور فتنہ پیدا کرنا قتل سے بھی بڑا گناہ ہے اور مشرک تم سے برابر لڑتے رہیں گے تاکہ تم کو تمہارے دین سے لوٹا دیں اگر وہ ایسا کر سکیں''۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد جیسا کہ قرآن سے ظاہر ہوتا ہے حریتِ عقیدہ کا دفاع اور اس کے احترام کے لئے مشرکین سے جنگ کرنا تھا، جب مدینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو استحکام حاصل ہوگیا اور دشمن اُس پر حملے سے مایوس ہو گئے اور حکومتِ مدینہ یثرب کے یہود اور آس پاس کے مشرکین پر غالب ہوگئی اور قبائل میں اُس کی ہیبت پیدا ہوگئی اور مکہ کے راستوں پر اُس کا کنٹرول ہوگیا تو اُس نے اُن کا محاصرہ کر کے اُس کی تجارت کو روک دیا، اور تلوار کو میان میں رکھنے کا وقت آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فراست سے سمجھ لیا کہ مکہ سے صلح کا وقت آ گیا اِس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوجِ مہاجرین وانصار کے ساتھ روانہ ہو گئے اور قربانی کے جانور بھی ساتھ لے لئے اور اعلان کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج کرنا چاہتے ہیں جنگ نہیں کرنا چاہتے۔

قریش نے جب یہ سنا تو اُنہیں بیت اللہ سے روکنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے، اِن لوگوں کا اِس طرح آنا اُنہیں ناگوار تھا اور اُنہیں اس کا اندیشہ تھا کہ عرب کے لوگ یہ کہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کا طواف کر لیا اور مکہ میں بزور بازو داخل ہو گئے اِس لئے انہوں نے اپنے حلیفوں سے یہ معاہدہ کیا کہ وہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کو مکہ نہیں آنے دیں گے، اُدھر جیشِ محمدی حج کے عمومی حق سے رکاوٹ کے باوجود مکہ میں داخلے کے لئے تیار تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ مدینہ سے نکلتے وقت ہی یہ ارادہ کر چکے تھے کہ وہ جنگ نہیں کریں گے اور اُنہیں اُن کے ارادے سے کوئی باز نہیں رکھ سکتا تھا کہ آپ ﷺ کا عزم، صادق اور غور وفکر پر مبنی ہوتا تھا۔

آپ ﷺ نے قریش کی سختی کا مقابلہ صبر سے کیا اور اپنے اصحاب کے ساتھ ایک دشوار گذار راستہ اپنایا تا کہ دشمنوں سے تصادم نہ ہو اور انہیں غور وفکر کا موقع مل جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر آج قریش میرے سامنے صلہ رحمی کی کوئی تجویز رکھیں گے تو میں اُسے مان لوں گا" (۱) لیکن آپ ﷺ جب حدودِ حرم میں حدیبیہ میں اترے تو قریش نے بڑی سرکشی سے کام لیا اور ہدیٰ کے جانور کے ساتھ حج وعمرہ کے احرام کے باوجود واپس جانے پر اصرار کیا اور جب آپ ﷺ نے اپنی نیک نیتی کے اظہار کے لئے اپنا سفیر بھیجا تو انہوں نے اُن کا اونٹ ذبح کر لیا اور خود اُن کی جان کے درپے ہو گئے (۲) آپ ﷺ نے اور بھی قاصد بھیجے مگر ان کی سرکشی میں اضافہ ہی ہوتا رہا اور انہوں نے اپنے آدمی بھیج کر جیش محمدی کو نقصان پہنچانا چاہا مگر وہ پکڑے گئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے گئے مگر آپ ﷺ نے انہیں معاف اور آزاد کر دیا۔ (۳)

صبر محمدی کا نتیجہ بہت جلد نکلا اور عربوں نے جان لیا کہ رسول اللہ ﷺ جنگ نہیں چاہتے اور نہ کوئی بُرائی پسند کرتے ہیں قریش کے اچھے حلیف نے ان کے گناہ سے براءت ظاہر کی یعنی زعیم الاحابیش[۱] حُلَیس بن علقمہ (جن کا تعلق قبیلۂ کنانہ سے تھا) نے اعلان کر دیا کہ وہ بیت اللہ سے لوگوں کو روکنے کے حق میں نہیں ہیں اور نہ

---

[۱] احابیش قریش: قبیلۂ قریش، کنانہ اور خزاعہ کے وہ لوگ جنہوں نے مکہ کے حُبشی نامی پہاڑ کے نزدیک اکٹھے ہو کر عہد وپیمان کیا تھا۔

قریش سے انہوں نے ایسا کوئی معاہدہ کیا ہے، اِسی طرح ثقیف نے اُن سے رسول اللہ ﷺ سے عدمِ تعرض کے لئے کہا اور مومنین کی طاقت سے انہیں ڈرایا (۴) اس طرح وہ رسول اللہ ﷺ کے مقصد یعنی معاہدۂ صلح سے قریب ہوگئے، چنانچہ سہیل بن عمرو آپ ﷺ کے پاس قریش کا نمائندہ بن کر آیا، اور اِس سال واپس جاکر اگلے سال آنے اور حج کرنے اور مکہ میں تین دن ٹھہرنے اور قریش کے باہر چلے جانے کی بات رکھی (۵) مسلمانوں پر لوٹنا بہت شاق تھا مگر رسول اللہ ﷺ نے اسے قبول کرلیا اور دس سالہ معاہدے کی بات ہونے لگی قریش نے شرط رکھی کہ اگر اس اثناء میں کوئی بلا اجازت رسول اللہ ﷺ کے پاس آجاتا ہے تو اُسے قریش اور اُس کے حلیفوں کو واپس کردیا جائے گا مگر قریش اور اُس کے حلیف کسی صحابی کو واپس نہیں کریں گے۔ (۶) جب رسول اللہ ﷺ نے یہ شرط مان لی تو حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آکر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں، پھر وہ کہنے لگے کہ کیا ہم مسلمان نہیں؟ آپ ﷺ نے وہی جواب دیا، انہوں نے کہا کہ کیا وہ مشرک نہیں؟ آپ ﷺ نے اثبات میں جواب دیا تو وہ کہنے لگے کہ پھر ہم اپنے دین میں کیوں کمزوری دکھا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں میں اُس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا اور وہ بھی مجھے ضائع نہیں کرے گا۔ (۷)

شرائطِ صلح اور بلا حج کی واپسی لوگوں پر بہت گراں گذر رہی تھی مگر تربیتِ محمدیہ اور صلح کے لئے آپ ﷺ کی قوی عزیمت نے ماحول کو بہتر کردیا، معاہدہ کی تحریر کے وقت دوبارہ آپ ﷺ کا صبر ظاہر ہوا، آپ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو بلاکر فرمایا کہ لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ اس پر قریشی نمائندہ سہیل بن عمرو

کہنے لگا کہ رُک گئے، میں رحمٰن ورحیم کونہیں جانتا، آپ بِاسمِکَ اللّٰھُمَّ لکھئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہی لکھو پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ لکھو یہ معاہدۂ صلح محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے سہیل کے ساتھ ہے، سہیل نے پھر کہا کہ رکئے، اگر میں آپ کو اللہ کا رسول مانتا تو آپ سے لڑائی کیوں کرتا، آپ اپنا اور اپنے والد کا نام لکھئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ لکھو یہ محمد بن عبداللہ کا صلح نامہ ہے، (۸) یہاں آپ ﷺ کی انصاف پسندی وکشادہ قلبی اور آپ ﷺ کی عظمت کا یہ راز ظاہر ہوا کہ آپ ﷺ ہمیشہ حقیقت پسند اور فضولیات سے الگ رہے، بہر حال صلح ہوگئی اور مسلمان بادلِ ناخواستہ واپس ہوگئے اگرچہ شیطان نے اُس وقت بعض لوگوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کیا جب رسول اللہ ﷺ نے یہ شرط مان لی کہ وہ اپنے پاس آنے والوں کو واپس کردیں گے اور دشمن کے پاس جانے والوں کو طلب نہیں کریں گے اور وہ قریش کے کہنے کے مطابق احرام کے باوجود حج کئے بغیر واپس ہوجائیں گے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر پُر امن حالات میں دعوت کی آزادی کو حاصل کرنا تھا اور آپ ﷺ جانتے تھے کہ اصل کامیابی یہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب ابھی راستے ہی میں تھے کہ سورۃ الفتح نازل ہوئی (۹) اور قرآن نے اس صلح کو جس سے بعض مسلمان گھبرا رہے تھے، فتحِ مبین قرار دیا اور کہا ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا﴾ (سورۃ فتح:۱-۲) ''ہم نے آپ ﷺ کو فتح مبین عطا کی تاکہ اللہ آپ ﷺ کا اگلا پچھلا گناہ معاف کردے اور آپ ﷺ پر اپنی نعمت پوری کردے اور آپ ﷺ کو سیدھا راستہ چلائے''۔

تھوڑے ہی دنوں کے بعد رسول اللہ ﷺ کا اندازہ اور اللہ کا وعدہ سچ ثابت ہوا اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے اور صلح حدیبیہ کے بعد دو سال میں اتنے لوگ داخلِ اسلام ہو گئے جو گزشتہ بیس برسوں میں بھی نہ ہوئے تھے اس طرح رسول اللہ ﷺ کا یہ معاہدہ بعض مسلمانوں اور قریش کے برخلاف اسلام کے لئے بابرکت ثابت ہوا اور اس سے قبل اس سے بڑی کوئی فتح آپ ﷺ نے نہیں دیکھی تھی اور قریش کے پاس آنے والے کو واپس نہ کرنے والی ناپسندیدہ شرط بھی الٹی پڑ گئی اور قریش ایک سال بعد ہی اس سے پناہ مانگنے لگے وہ اس طرح کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس آنے والے مسلمانوں کو معاہدہ کی وجہ سے قریش کو لوٹا دیتے تھے چنانچہ جب ابو بصیرؓ کو لوٹایا تو وہ ساحلِ سمندر کی طرف بھاگ گئے اور جو لوگ مدینہ نہ جا سکتے تھے وہ بھی ان کے ساتھ رہنے لگے اور جب ایک جماعت ہو گئی تو وہ مکی تجارت میں رکاوٹ ڈالنے لگے چنانچہ پریشان ہو کر قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلہ رحمی کا واسطہ دے کر عرض کیا کہ وہ ابو بصیرؓ اور ان کے ساتھیوں کو اپنے پاس بلا لیں اور اس شرط کو ختم کر کے جو آپ ﷺ کے پاس جائے اُسے رکھ لیں، آپ ﷺ نے ان کی بات مان لی (۱۰) اس طرح یہ صلح سیاستِ محمدیہ کی یادگار اور اللہ کا فضل ثابت ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے دشمنوں کی بات مان لی اور انہیں تجارتی امن عطا کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ آپ ﷺ جنگ نہیں چاہتے تھے بلکہ دین وعقیدہ کی آزادی چاہتے تھے ایسے ہی نہ مکی تجارت کو لُوٹنا اور نہ ان سے انتقام لینا چاہتے تھے جب کہ بعض غیر مسلموں کو اس بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے، آپ ﷺ نے دس سال تک اپنی فوج کو روکے رکھا اور امن کی خاطر ناپسندیدہ شرائط بھی مانیں جب کہ مکی تجارت کے شمالی راستوں پر آپ ﷺ کا کنٹرول تھا بلکہ

آپ ﷺ مکہ وطائف کے جنوبی راستے کو بھی روک سکتے تھے اور امن کیلئے ابوبصیرؓ اور اُن کے ساتھیوں کو واپس بلانا جب کہ آپ ﷺ اُن کے ذمہ دار بھی نہ تھے، غیر مسلم معترضین کی خود تردید کرتا ہے۔

اس صلح کے ذریعے آپ ﷺ نے قریش کی طرف سے مطمئن ہو کر دنیا کے بادشاہوں اور سرداروں کو خطوط لکھے اور اُن کو دعوت اسلام دی (۱۱) اور اپنی فوجوں کا رخ، مسلمان داعیوں سے جنگ آزما رومیوں کی طرف کر دیا۔(۱۲)

آپ ﷺ نے اپنی فراست سے سرعت کے ساتھ جنگی میدان کو قلبِ جزیرہ العرب سے ہٹا کر اُس کے اطراف کی طرف کر دیا جس سے عربوں کو آپ ﷺ کی بلند نظری اور دور بینی کا احساس ہوا اور آپ ﷺ نے اُنہیں پرچمِ توحید کے تلے جمع کر دیا اور وہ آپ ﷺ کی عالمی دعوت کا سروسامان ثابت ہوئے۔

آپ ﷺ نے عجلت سے کام لیا اور اپنی فراست سے جان لیا کہ رومی حکومت مدینہ کی عرب حکومت کو خاموشی سے نہیں دیکھ سکتی اور بالآخر وہ اس پر حملہ آور ہو گی اور مثل مشہور ہے کہ گھر میں رہ کر لڑنے والی قوم ذلیل ہوتی ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے حیرت انگیز طور سے میدان جِنگ بدل دیا جو آپ ﷺ کی بے نظیر سیاسی بصیرت اور فوجی مہارت کی دلیل ہے۔

مُوتہ میں رومیوں سے لڑنے کے بعد عربوں کے اسلحوں اور امیدوں کا رخ انتقام اور لوٹ مار سے بہت بلند ہو گیا اور ان کی معنوی حالت خانہ جنگی سے اٹھ کر عالمی جدوجہد اور دنیوی مقصد سے اعلیٰ مقصد سے وابستہ ہو گئی، اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت خاندان ووطن سے ہو کر ایک عالمی حکومت تک پہنچی اور اس کے لئے انہوں نے عربوں کو تیار کیا اُن میں اپنی روح پھونکی اور اُنہیں قیصر

وکسریٰ کے پاس اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا اور انہوں نے اپنا کام انجام دیا اور ایسی اسلامی حکومت قائم ہوئی جو رنگ ونسل کی عصبیت سے پاک تھی اور صرف تقویٰ کو وجہِ امتیاز سمجھتی تھی۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب آپ ﷺ شمال کی طرف متوجہ ہوئے تو جزیرہ اور اطراف کے دشمنوں نے سمجھ لیا کہ اُنہیں بھی لوائے محمدی کے نیچے آجانا چاہئے جو خانہ جنگی میں مبتلا اور روم وایران کی نظر میں حقیر امت کے لئے بلند کیا گیا ہے۔

چنانچہ اس جھنڈے کے نیچے جلد آنے والوں میں خالد بن الولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ بھی تھے (۱۳) جو جاہلیت اور اسلام دونوں کے ہیرو تھے اور دعوتِ محمدیہ کے شدید مخالف قبیلوں مخزوم وسہم سے تعلق رکھتے تھے، اُن میں سے ایک فاتحِ عراق اور بطلِ مشرق بنا اور دوسرا فاتحِ مصر و بطلِ مغرب ثابت ہوا۔

قریش نے اپنی کوتاہ نظری سے جب آپ ﷺ کو رومیوں سے جنگ میں مشغول دیکھا تو عہد حدیبیہ کو توڑ دیا اور آپ ﷺ کے حلیف خزاعہ کے خلاف بکر کی مدد کی تو آپ ﷺ نے اپنے صدقِ عزیمت وحُسنِ فراست کے سبب اُن کی بدعہدی قبول کر لی، اور معاہدے کی تجدید سے انکار کر دیا اور خفیہ تیاری کے بعد دس ہزار فوج کے ساتھ مکہ کی طرف بڑھے اور بغیر لڑائی کے وہاں داخل ہو گئے (۱۴) بغیر لڑائی اس لئے کہ عکرمہ، صفوان اور سہیل کی معمولی مزاحمت مکہ کی خودسپردگی اور قریش کی عاجزی ہی کا حصہ تھی۔

فتحِ مکہ رسول اللہ ﷺ کی حُسنِ سیاست اور حکمتِ عملی کا خدائی انعام تھا جس کے ذریعے جزیرۃ العرب میں حکومتِ محمدیہ مضبوط بنیادوں پر قائم ہوئی اور بیت اللہ حضرت ابراہیمؑ کے عہد کی طرح شرک سے پاک مرکزِ توحید اور اللہ کے لئے وہاں

رہنے والوں اور آنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کا قبلہ بن گیا۔

## مراجع ومصادر

(۱) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/۳۱۰

(۲) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/۳۱۴

(۳) ایضاً

(۴) ایضاً

(۵) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/ ۳۱۶

(۶) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/ ۳۱۷

(۷) ایضاً

(۸) ایضاً

(۹) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/۳۲۰

(۱۰) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/۳۲۴-۳۲۲

(۱۱) طبقات ابن سعد ج:۱ص/ ۲۵۸

(۱۲) طبقات ابن سعد ج:۲ص/ ۱۲۸

(۱۳) البدایہ والنہایہ ج:۲ص/ ۶۲۸ - ۶۲۷

(۱۴) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/۳۹۰

۱۴

# سیاستِ نبویہ کی کچھ مثالیں

فصولِ سابقہ میں ہم نے رسول اللہ ﷺ کے حُسنِ سیاست وحکمتِ عملی کے اصولوں سے بحث کی تھی کہ اُن کی زندگی کا وہ پہلو بھی واضح ہوجائے اب ہم بعض ہنگامی مواقع پر آپ ﷺ کے طرزِ عمل سے بحث کریں گے تاکہ آپ ﷺ کی فراست، سلامتِ ذوق اور حسنِ تدبیر کا نمونہ سامنے آئے اور ذہنوں میں آپ ﷺ کی کامل مثال واضح ہو۔

غزوۂ بنی المصطلق [1] کے بعد زعیم المنافقین اور خزرج کے سردار عبداللہ بن اُبی بن سلول کے ساتھ آپ ﷺ کے معاملے پر غور کریں، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اُس وقت اس کی تاج پوشی کی تیاری ہورہی تھی لیکن جب رسول اللہ ﷺ کی شان وشوکت بڑھی تو عبداللہ بن اُبی کا اقتدار گھٹ گیا تو وہ دل میں حسد رکھنے لگا اور غزوہ بنی المصطلق میں اُس کی کچھ شرارتیں ظاہر ہوئیں جب رسول اللہ ﷺ مصروفِ جنگ تھے تو وہ اپنی فتنہ پردازی سے مسلمانوں کو فتح سے محروم بلکہ شکست دلانا چاہ رہا تھا۔

واقعہ یوں ہے کہ حضرت عمرؓ کے ایک مزدور کا ایک انصاری کے حلیف سے پانی کے بارے میں جھگڑا ہوگیا، مزدور نے آواز دی کہ اے مہاجرو! اور دوسرے

[1] بنو المصطلق، خزاعہ کی شاخ تھی جن سے رسول اللہ ﷺ نے مریسیع میں شعبان ۶ھ میں جنگ کی۔

نے انصار کو پکارا اس پر عبداللہ بن اُبی غصہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ اب وہ یہ کرنے لگے اور ہمارے ملک میں ہم پر برتری جتانے لگے واللہ ہم اور جلابیب[1] قریش ایسے ہیں جن کے لئے کہا گیا ہے کہ ''اپنے کتے کو موٹا کرو گے تو وہ تمہیں کھا جائے گا'' واللہ ہم مدینہ صحیح سلامت لوٹے تو معزز لوگ ذلیلوں کو نکال دیں گے۔

پھر وہ اپنی قوم سے کہنے لگا کہ یہ تمہارے کئے کا نتیجہ ہے کہ اُن کو تم نے اپنے شہر میں رکھا، ان کو اپنے مال میں حصہ دیا، اگر تم اُن سے ہاتھ کھینچ لو تو وہ تمہارے یہاں سے چلے جائیں، حضرت زید بن ارقمؓ نے اُس کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ سے بتا دی جہاں حضرت عمرؓ بھی تھے انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ عبّاد بن بشرؓ کو اُس کے قتل کا حکم دے دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا عمرؓ ایسا کیسے کر سکتا ہوں، لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کو مروا دیتے ہیں، اس کے بعد آپ ﷺ نے کوچ کا اعلان کر دیا اور لوگ سویرے چل پڑے جب کہ رسول اللہ ﷺ ایسے وقت سفر نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ دن بھر لوگوں کے ساتھ چلتے رہے حتیٰ کہ شام ہو گئی پھر رات بھر چلے اور صبح ہو گئی اور دھوپ سے اُنہیں تکلیف ہونے لگی پھر آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ ایک جگہ اترے اور زمین کی ٹھنڈک پا کر لوگ سو گئے اور لوگ چلنے سے تھک گئے تھے ایسا آپ ﷺ نے اُنہیں فتنہ کے سلسلے میں گفتگو سے باز رکھنے کے لئے کیا تھا، آپ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کی خدمت میں عبداللہ بن اُبی کے بیٹے حضرت عبداللہؓ حاضر ہوئے اور اُنہیں اپنے باپ کی بات معلوم ہو چکی تھی اُنہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ میرے والد کے بارے

[1] مدینہ کے منافقین اُن تمام لوگوں کو جو اسلام قبول کر کے مدینہ میں آ رہے تھے ''جلابیب'' کہا کرتے تھے، کیونکہ وہ لوگ موٹی چادریں اوڑھتے تھے، اس سے اُن کا مقصد مہاجرین کی تذلیل تھی۔

میں کوئی بات سن کر اُسے قتل کرنا چاہ رہے ہیں؟ تو اگر آپ ﷺ نے یہ طے کرلیا ہے تو مجھے حکم دیجئے کہ میں اُس کا سر آپ ﷺ کے پاس لے آؤں کیونکہ خزرج جانتا ہے کہ میں اپنے باپ کا سب سے وفادار بیٹا ہوں، مجھے یہ ڈر ہے کہ آپ ﷺ کے حکم سے کوئی غیر اُسے قتل کردے اور میں اپنے باپ کے قاتل کے قتل پر مجبور ہو جاؤں اور ایک کافر کے بدلے مؤمن کو قتل کر کے جہنم میں جاؤں۔ اِس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم اُس سے نرمی سے معاملہ کریں گے اور جب تک ہمارے ساتھ رہے گا اُس کا خیال رکھیں گے اس کے بعد عبداللہ بن اُبی سے جب کوئی حرکت سرزد ہوتی تو اُس کی قوم ہی اسے ملامت کرتی تھی، حضرت عبداللہؓ کی یہ بات سن کر آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ عمر! ''دیکھتے ہو اگر جس دن تم نے کہا تھا اُسے میں قتل کردیتا تو لوگ اُسے ناپسند کرتے اور اگر آج کہوں تو سب اُسے قتل کردیں''۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اُس وقت مجھے محسوس ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم میری درخواست سے زیادہ بابرکت تھا۔(۱)

اِس چھوٹے سے قصے میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نازک وقت میں کس طرح صبر وضبط سے کام لیا، اور فتنے سے بچنے کے لئے کس طرح رات دن چلتے رہے اور فوج کو تھکا کر اس میں پڑنے سے روکے رہے، اِس قصے میں سیاست میں نرمی اور احتیاط کی بہترین تصویر موجود ہے۔

ایک دوسری مثال دیکھئے رسول اللہ ﷺ غزوۂ حنین کے بعد عطیات تقسیم فرمارہے تھے کہ بنوتمیم کا ایک شخص آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ! آج جو آپ ﷺ نے کیا وہ میں نے دیکھا آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا دیکھا؟ تو وہ بولا کہ آپ ﷺ نے انصاف نہیں کیا، اُس پر رسول اللہ ﷺ کو غصہ آگیا اور فرمایا

کہ تمہارا برا ہوا اگر عدل میرے پاس نہ ہوگا تو کس کے پاس ہوگا؟ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ! میں کیوں نہ اسے قتل کر دوں؟ مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، اسے چھوڑ دو کہ اس کے ساتھی دین میں مبالغہ کریں گے اور اس سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے (۲) چنانچہ اس کے بعد بنی تمیم میں شدت پسند خوارج دیکھے گئے، اسی طرح ایک بار جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش، اور قبائلِ عرب کو مالِ غنیمت دیا اور انصار کو کچھ نہیں دیا تو انصار میں چہ می گوئیاں ہونے لگیں حتیٰ کہ بعض کہنے لگے کہ واللہ رسول ﷺ اپنی قوم سے مل گئے، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے انہیں جمع کیا اور فرمایا:

''اے جماعتِ انصار! یہ کیا چہ می گوئی ہے جو مجھ تک پہنچی ہے اور تمہارے دلوں میں مجھ سے کیا ناراضگی ہے؟ کیا میں تمہارے پاس جب آیا تو تم گمراہ نہ تھے پھر اللہ نے تمہیں ہدایت دی، تم محتاج تھے تو اللہ نے تمہیں غنی کر دیا، باہم دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دل جوڑ دیئے، وہ کہنے لگے کہ بلکہ اللہ اور رسول ﷺ کا فضل واحسان اس سے بھی زیادہ ہے''۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا! ''اے جماعتِ انصار! جواب کیوں نہیں دیتے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم کیا جواب دیں اللہ اور رسول ﷺ ہی کا فضل واحسان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ واللہ تم بھی یہ کہہ سکتے ہو جو سچ ہوگا کہ آپ ﷺ قوم کے جھٹلائے ہوئے آئے تو ہم نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور محتاج آئے تو ہم نے آپ ﷺ کی مدد کی، اے گروہ انصار! کیا تم دنیا کی معمولی سرسبزی کے لئے ناراض ہو گئے جس سے میں نے ایک قوم کی اسلام کے لئے تالیفِ قلب کی اور تمہیں تمہارے اسلام کے سہارے چھوڑ دیا؟ کیا تم اِس سے راضی نہ ہو گے کہ لوگ

بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو اپنے ساتھ اپنی قیام گاہ پر لے آؤ؟ اُس کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے، اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں ہونا پسند کرتا، اور اگر لوگ اپنی راہوں پر چلیں اور انصار اپنی راہ پر چلیں تو میں انصار کے راستے پر چلوں گا، اے اللہ انصار پر رحم کر اور انصار کے بیٹوں پر رحم کر اور انصار کے پوتوں، نواسوں پر رحم کر"۔

یہ سن کر انصار رونے لگے اور ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں اور یہ بول اٹھے کہ ہم اپنے حصے میں رسول اللہ ﷺ کو لے کر راضی ہیں۔ (۳)

دلوں کو چھونے والی یہ عبارت جو نفوسِ بشریہ کو ملائکہ کے درجے پر پہنچا دے، جو فتنے کا خاتمہ کر دے، اور روحوں کو سرشار کر دے، ہمیں بتاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو کسی مقصد پر کس طرح جمع کر دیتے تھے۔

آپ ﷺ نے اپنی کشادہ قلبی اور حکمت عملی سے ناممکن کو ممکن کر دیا اور اپنی تدبیر اور تربیت سے ایک امت کی شیرازہ بندی کر دی۔

آپ ﷺ کی خدمت میں بنو الحارث بن کعب کا وفد آیا جہاں آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھیجا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر خالد نے مجھے نہ لکھا ہوتا کہ تم مسلمان ہو گئے اور تم نے جنگ نہیں کی تو میں تمہارے سر تمہارے پاؤں میں ڈال دیتا، اس پر یزید بن عبد المدان نے کہا کہ ہم نے نہ آپ ﷺ کی تعریف کی نہ خالد کی، آپ ﷺ نے پوچھا کہ پھر کس کی تعریف کی؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے اللہ عزّ وجل کی تعریف کی جس نے آپ کے ذریعے ہدایت دی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا! پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم جاہلیت میں لڑنے والوں پر کس طرح غالب آتے تھے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم کسی کو مغلوب نہیں

کرتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے سے لڑنے والوں کو تو زیر کرتے تھے؟

اُنہوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ ہم ایک ہو جاتے تھے اور ہم کسی پر ظلم سے شروعات نہیں کرتے تھے، آپ ﷺ نے اُن کی تصدیق کی (۴) آپ ﷺ کے اس جملہ میں کہ ''پھر تم کس کی تعریف کرتے تھے'' آپ ﷺ کا ضبط اور وسیع القلبی نمایاں ہے جو سیاستِ محمدیہ کی اساس تھی۔ آپ ﷺ کی سیاست کی کامیابی کے اسباب میں نرمی، حسنِ معاملہ، فراستِ صادقہ اور آپ ﷺ کی باخبری بھی تھی، آپ ﷺ حد درجہ مردم شناس تھے، عربوں کی خوبیوں اور خرابیوں، ان کے لب ولہجہ، ان کی پسند وناپسند سب سے واقف تھے، برابر معلومات حاصل کرتے رہتے اور بعض کو عام نہ ہونے دیتے چنانچہ قیدی سہیل بن عمرو کے بارے میں آپ ﷺ کی فراست سات سال بعد ظاہر ہوئی، آپ ﷺ کی وفات کے بعد جب اہلِ مکہ نے ارتداد کا ارادہ کیا، اور جب قریش نے بدر کے قیدیوں کا فدیہ دینا چاہا تو حضرت عمرؓ نے اس کی مخالفت کی اور رسول اللہ ﷺ سے سہیل بن عمرو کے اگلے دانت توڑنے کی اجازت مانگی تاکہ اس کی زبان بند ہو اور وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف تقریر نہ کر سکے تو آپ ﷺ نے انکار فرمایا کہ میں اُس کا مثلہ نہیں کروں گا کہ نبی ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہو جائے اور ہو سکتا ہے کہ وہ کسی قابل تعریف مقام پر پہنچے (۵) چنانچہ اہل عرب مرتد ہونے لگے جن میں اکثریت اہل مکہ کی تھی اور مکہ پر آپ ﷺ کے عامل حضرت عتاب بن اُسیدؓ چھپ گئے تو اس موقع پر سہیل بن عمروؓ نے کھڑے ہو کر اللہ کی حمد وثنا کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر کر کے کہا کہ اس سے اسلام کو قوت ملی ہے تو جو غداری کرے گا ہم اس کی گردن ماردیں گے، یہ سن کر لوگوں نے ارتداد کا ارادہ ترک کر دیا اور پھر عتابؓ

بھی سامنے آگئے اور حالات سُدھر گئے۔(۶)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے جواب میں اِسی مقام کا ارادہ کیا تھا اور سات سال پہلے اس کا اندازہ کرلیا تھا۔

اِسی طرح ہوازن کا مالِ غنیمت آپ ﷺ نے ماضی کے دشمنوں میں تقسیم کردیا، حضرت ابوسفیان اور حضرت معاویہ، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزّیٰ، حارث بن ہشام اور بہتوں کو عطیات دیئے۔

اور مؤلَفَّۃ القلوب کی ضروریات پوری کیں اور ابن مرداس جیسے شعراء کو بھی داد ودہش سے راضی کردیا (۷) کہ بذل وسخا کا عنصر بھی آپ ﷺ کی سیاست میں مفقود نہیں تھا۔

کچھ لوگ آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم نے ایک مسجد بنائی ہے تاکہ اس میں بیمار وضرورت منداور بارش اور سردی میں لوگ نماز پڑھ لیا کریں، ہماری خواہش ہے کہ آپ ﷺ ہمارے یہاں تشریف لاکر اُس میں ہمیں نماز پڑھادیں، آپ ﷺ نے ان سے غزوۂ تبوک سے واپسی پر وہاں آنے کا پختہ وعدہ کرلیا مگر لوٹنے پر آپ ﷺ کو علم ہوا کہ وہاں سے وہ لوگ شر وفتنہ پھیلاتے ہیں اس لئے آپ ﷺ نے اسے جلانے کا حکم دیا اور وہاں کے لوگ فرار ہوگئے، وہ مسجدِ ضرار تھی جس کے بارے میں قرآن کہتا ہے ﴿وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِداً ضِرَاراً وَکُفْراً وَتَفْرِیْقاً بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (سورۂ توبہ:۱۰۷)''اور جن لوگوں نے ایک مسجد بنائی مسلمانوں کو ضرر پہنچانے، کفر پھیلانے اور اُن میں تفرقہ ڈالنے کے لئے''۔(۸)

ایسے ہی آپ ﷺ کو خبر ملی کہ کچھ منافقین سُوَیلِم یہودی کے گھر میں جمع

ہوکر لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ روم کے لئے نکلنے سے روکتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کو بیتِ سُوَیلم کو جلانے کے لے بھیجا، انہوں نے تعمیل حکم کی اور وہاں کے لوگ بھاگ گئے۔(۹) اِن دونوں مثالوں میں آپ ﷺ کشادہ قلب، نرم مزاج اور روادار نظر آتے ہیں، مگر ساتھ ہی شر وفتنہ کو ختم کرنے کے لئے مسجد اور گھر بھی جلوا دیتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ ایک صاحبِ بصیرت حکمراں بھی ہیں جو نرمی و سختی دونوں سے کام لیتا ہے۔

آپ ﷺ نمود و نمائش کو بھی ناپسند کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ کی پوری زندگی میں یہ چیز نہیں ملتی، مگر آپ ﷺ نے مصلحتاً فتح مکہ کے موقع پر اس کا حکم دیا کیونکہ قریش آپس میں کہتے تھے کہ محمد ﷺ اور ان کے اصحاب تنگی اور کمزوری میں ہیں چنانچہ وہ لوگ آپ ﷺ کو اور صحابہ کو دیکھنے کے لئے دار الندوہ کے پاس جمع ہو گئے، رسول اللہ ﷺ جب مسجد حرام میں داخل ہوئے تو اپنی چادر آڑی ترچھی اوڑھی اور دایاں بازو ظاہر کیا اور فرمایا کہ اللہ اُس پر رحم کرے جو آج اُنہیں اپنی قوت دکھائے پھر رکن کو مس کیا اور آپ ﷺ اور اصحاب تیز تیز چلے اور جب اُن سے چھپ گئے تو رکن یمانی کو مس کیا اور رکن اسود کی طرف بڑھے اور تیزی سے تین طواف کئے، ایسا آپ ﷺ نے اپنے اور اصحاب کے اوپر سے کمزوری کا الزام دور کرنے کے لئے کیا(۱۰) اور غزوۂ خندق کے وقت جب قبائل نے مدینہ کا محاصرہ کرلیا اور بنو قریظہ نے عہد شکنی کی، اور نبی اکرم ﷺ اور اُن کے اصحاب کو یہ خبر ملی تو آپ ﷺ نے تحقیقِ خبر کے لئے حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ اور ان کے ساتھیوں کو بھیجا اور ان سے کہا کہ اگر خبر صحیح ہو تو مجھے اشارے میں بتانا اور لوگوں سے اُسے پوشیدہ رکھنا اور اگر معاہدہ برقرار ہو تو لوگوں

میں اعلان کر دینا۔ چنانچہ اُن لوگوں نے واپس آ کر سلام کیا اور اشارے سے بتایا کہ بنوقریظہ نے بدعہدی کی تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ اکبر کہا اور مسلمانوں کو بشارت دی (۱۱) آپ اِن دونوں قصوں میں قائد کی حکمت دیکھ رہے ہیں کہ انہوں نے کس طرح قوت کے مظاہرے سے دشمن کو مرعوب کیا اور اپنے انصار کی معنوی قوت اور مورال کو دشمن کی طرف سے بے پروائی کے ذریعے برقرار رکھا۔

آپ ﷺ پوری طرح باخبر رہتے اور اپنے راز پوشیدہ رکھتے تھے اور اپنے فوجی اقدامات کو چھپانے کے لئے قاصد کو کوئی خط دے کر اُسے کچھ دور پر اور کچھ دیر میں کھولنے کی ہدایت دیتے تھے، آپ ﷺ صائب الرائے اور صاحبِ عزیمت تھے مگر آپ ﷺ کبھی فخر وغرور میں مبتلا نہیں ہوئے، اور نرم سیاست اور انتہائی حکمت پر کاربند رہے اور لڑائی اُسی وقت لڑی جب اس کے سوا جان وعقیدہ کے دفاع کے لئے کوئی راستہ نہ بچا تھا، آپ ﷺ کی سیاست صبر ونرمی پر مبنی تھی اور جہاد وقتال میں بھی آپ ﷺ نے اپنی مہارت کے ساتھ کشادہ قلبی اور شریف النفسی کا مظاہرہ کیا اِس طرح آپ ﷺ نے اپنی عظیم شخصیت اور اپنے قول وعمل سے اپنے ماحول اور معاشرے کو متأثر کیا اور آپ ﷺ کی ذات جامعِ صفات ایسے مردانِ کار اور نادرۂ روزگار لوگوں کا گہوارہ ثابت ہوئی جس نے دنیا کے فاتح اور منتظم پیدا کئے جن کی سیاست وحکومت پاک صاف تھی اور جنہوں نے ہر طرح کے حالات کا مردانگی سے مقابلہ کیا۔

# مراجع ومصادر

(۱) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/۲۹۳-۲۹۰

(۲) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/۴۹٦

(۳) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/۵۰۰-۴۹۸

(۴) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/۵۹۴

(۵) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/٦۴۹

(٦) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/٦٦٦

(۷) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/۴۹۴-۴۹۲

(۸) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/۵۳۰-۵۲۹

(۹) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/۵۱۷

(۱۰) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/۳۷۱

(۱۱) سیرت ابن ہشام ج:۲ص/۲۲۲-۲۲۱

## ۱۵

# دعوتِ محمدیہ کے اثرات وثمرات

اِس موضوع سے بحث کے لئے مجلدات درکار ہیں اِسی لئے میں نے یہاں اُسے ایک دائرے میں محدود رکھا ہے جس کی اس مختصر فصل میں گنجائش نکل سکے، اِس لئے میں دعوتِ محمدیہ کے اُن دوامی اثرات سے بحث کروں گا جو زمان ومکان میں محدود نہیں ہیں اور جو بہت واضح اور مسلم وغیر مسلم سبھی لوگوں کی حیرت وتعجب کا باعث ہیں، اِس طرح شاید میں رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی وہ تصویر پیش کرسکوں جس سے اُس کے نمایاں پہلو سامنے آسکیں۔

## ۱- دعوتِ محمدیہ کے اثرات اجتماعی زندگی پر

مجھے سب سے پہلے یہ خیال آیا کہ دعوت کے اُن اثرات سے بحث کروں جو ایک ناکارہ قوم پر مرتب ہوئے اور انہوں نے اُسے اُس عالمی دعوت کا حامل بنا کر بیس سال سے کم عرصے میں مشرق کے اطراف وجوانب میں پھیلا دیا اُس دعوت کے نمایاں اور فوری اثرات کے نتیجے میں قومِ عرب ایک دوسری قوم بن گئی۔ عرب انتشار اور انارکی کے شکار تھے اور ایسے بنجر علاقے میں رہتے تھے جسے ایران وروما کی قومیں حقارت سے دیکھتی تھیں اور وہ اقوامِ عالم میں سب سے آخری قوم تھی جس سے کسی خیر کی امید کی جاسکتی تھی، عرب زمانۂ جاہلیت میں زندگی اور سرداری اور پانی اور سرسبز جگہوں کے لئے لڑتے رہتے تھے، ہر قبیلہ اپنی قوت پر نازاں رہتا اور اپنے

حسب ونسب پر فخر کرتا رہتا تھا اور اُس کا فخر وغرور اِس بات پر ہوتا تھا کہ اُس نے لوٹ مار کی اور اپنے دشمن پر غالب ہوا اور ظلم وفساد پھیلایا، یہ چیزیں اس کے لئے قابل فخر اور زندگی کا مقصود بن گئی تھیں، چنانچہ عمرو بن کلثوم فخر سے یہ کہتا ہے ؎

بُغَــاةً ظَالِمِيْنَ وَمَا ظُلِمْنَــا
وَلٰكِنَّــا سَنَبْدَأُ ظَـالِمِيْنَـا

(ہم بغاوت کرنے والے ظالم لوگ ہیں اور ہم پر ظلم نہیں کیا جاتا بلکہ ہم خود ظلم کی ابتدا کرتے ہیں)

زہیر کہتا ہے ؎

وَمَنْ لَايَذُدْ عَنْ حَوْضِهِ بِسِلَاحِهِ
يُهَدَّمْ وَمَنْ لَايَظْلِمِ النَّاسَ يُظْلَمِ

(اور جو اپنے حوض کی حفاظت اپنے اسلحوں سے نہیں کرتا تو وہ گرادیا جاتا ہے اور جو لوگوں پر ظلم نہیں کرتا اُس پر ظلم کیا جاتا ہے)

قطامی جو اسلامی شاعر ہے اسلامی قبائل میں باقی رہ جانے والے جاہلی عناصر کی اِس طرح نشاندہی کرتا ہے۔

فَمَنْ تَكُنِ الْحَضَارَةُ اَعْجَبَتْهُ
فَاَىَّ رِجَالِ بَادِيَةٍ تَرَانَــا

(جس کو تہذیب وتمدن پسند ہوں اس سے کہو کہ ہمیں تم کیوں دیہاتی سمجھتے ہو)

وَمَنْ رَبَطَ الْجِحَاشَ فَإِنَّ فِيْنَا
قَنًا سُلُبًا وَاَفْرَاسًا حِسَانَا

(اور جو فوجی تیاری کرے وہ جان لے کہ ہمارے پاس بھی سخت کمانیں اور

عمدہ گھوڑے ہیں)

وَکُنْ إِذَا اَغْرْنَ عَلیٰ جَنَابٍ
وَاَعْوَزَهُنَّ نَهْبٌ حَيْثُ كَانَا

(اور وہ جب کسی سرحد پر حملہ کرتے ہیں اور انہیں لوٹ مار میں دشواری ہوتی ہے)

اَغَرْنَ مِنَ الضِّبَابِ عَلیٰ حُلُولٍ
وَضَبَّةَ إِنَّهُ مَنْ حَانَ حَانَا

(تو وہ مقامِ ضباب سے حلول وضبّہ پر حملہ کر دیتے ہیں)

وَأَحْيَاناً عَلیٰ بَكْرٍ اَخِيْنَا
إِذَا مَا لَمْ نَجِدْ إِلَّا أَخَانَا

(اور کبھی ہم قبیلۂ بکر کے اپنے بھائیوں پر حملہ آور ہو جاتے ہیں جب ہم اپنے بھائیوں کے سوا کسی اور کو نہیں پاتے)

اِن اشعار سے اُس عہد جاہلی کی پست ذہنیت معلوم ہوتی ہے اور اس کے برعکس دعوتِ اسلامی کی یہ عظمت ظاہر ہوتی ہے کہ اس نے اپنی غارت گری پر فخر کرنے والی قوم کو امن پسند قوم بنا دیا جس نے پوری دنیا میں عدل وانصاف کا بول بالا کر دیا اور جنگ جُو بدوی تھوڑے ہی عرصے کے بعد تہذیب وتمدن کے قافلہ سالار بن گئے۔

عرب جاہلیت کا آدمی صرف اپنے قبیلے کو جانتا تھا اور اختلاف کے وقت اپنے خاندان تک محدود ہو جاتا تھا اور دوسروں کو جینے کا حق بھی نہیں دینا چاہتا تھا اور ایک خاندان کے لوگ کسی عام بھلائی کی چیز پر تعاون نہیں کرتے تھے بلکہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ انسانیت کی طرح عرب قومیت سے بھی ناواقف تھے اُن کی زندگی دوسرے قبیلوں سے عداوت وخصومت کا نام تھی، ہر قبیلہ صرف اپنا مفاد جانتا

تھا اور دوسروں سے برسرِ پیکار اور ان پر غلبہ کا طلب گار رہتا تھا۔ دعوتِ محمدیہ نے عربوں کی اِن شرمناک روایات کو ختم کردیا اور قبیلے کے لئے لڑنے والوں کو امت کا تصور عطا کیا، انسانی حقوق بحال کئے اور باہمی خوں ریزی اور غارت گری کے برعکس اُنہیں نیکی پر تعاون، عدلِ اجتماعی اور ایک پاک صاف عقیدے پر متحد کردیا اور اس طرح عربوں کے نقطۂ نظر کو بدل کر ان کے وحشی نظریات کو انسانی والوہی تصورات ونظریات میں تبدیل کردیا، شریعت وقانون کو ہر شے پر بالادستی بخشی اور خیر وصلاح کی حکومت قائم کی جس کے نتیجے میں ظالمانہ قصاص کی جگہ عادلانہ قصاص نے لے لی اور قبیلے کی جواب دہی کے مقابل اجتماعی ومعاشرتی مسئولیت کا احساس پیدا ہوگیا، اِن قرآنی آیات میں اُنہیں حقائق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ﴿وَلَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰیٰ﴾ (سورۂ انعام: ۱۶۴) (کوئی کسی اور کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) ﴿کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ﴾ (سورۂ مدثر: ۳۸) (اور ہر نفس اپنے کئے کا ذمہ دار ہے) ﴿وَاَنْ لَیْسَ لِلاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعیٰ﴾ (سورۂ نجم: ۳۹) (اور یہ کہ ’’اور انسان اپنی محنت کا حقدار ہے‘‘) شریعت کی بالادستی نے جاہلی دعوے اور نعرے ختم کردیئے اور ہر شخص اس دعوت کا داعی بن گیا اور عدل وقانون کا پابند ہوگیا، شخصی مسئولیت کا احساس پیدا ہوگیا اور میدانِ عمل میں حسب ونسب اور جاہ ومال کا دخل ختم ہوگیا، قرآن کے الفاظ میں ﴿فَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْراً یَرَهُ وَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَراً یَرَهُ﴾ (سورۂ زلزال: ۷-۸) (جو ذرہ بھر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ بھر برائی کرے گا وہ بھی اسے دیکھ لے گا) ﴿یٰبُنَیَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِیْ السَّمٰوٰتِ اَوْ فِیْ الأَرْضِ یَأْتِ بِهَا اللّٰهُ﴾ (سورۂ لقمان: ۱۶) (حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو

نصیحت کرتے ہوئے فرمایا بیٹا) اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا وہ آسمانوں کے اندر ہو یا وہ زمین کے اندر ہو تب بھی اُس کو اللہ تعالیٰ حاضر کردے گا) دنیا کے انسان دعوتِ محمدیہ کے طفیل ایک دوسرے کے برابر ہو گئے، شریف ورذیل کا فرق مٹ گیا اب اُن میں سب سے اچھا، اچھا کام کرنے والا، اُن کا سردار، اُن کو فائدہ پہنچانے والا اور اُن کا سب سے معزز اُن کا سب سے زیادہ متقی بن گیا قرآن نے اعلان کردیا کہ ﴿یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَاُنْثیٰ وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ﴾ (سورۂ حجرات:۱۳) (لوگو ہم نے تمہیں ایک باپ اور ماں سے پیدا کیا اور پہچان کے لئے تمہیں قبیلوں اور جماعتوں میں تقسیم کیا اور اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز تمہارا متقی شخص ہے)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں انسانی مساوات کا اِس طرح اعلان کردیا کہ ''لوگو! تم سب اولادِ آدمؑ ہو اور آدمؑ مٹی کے بنے تھے اب کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت صرف تقویٰ سے حاصل ہوگی''۔(۱)

یہ اعلان آئندہ عرب فتوحات کا دستور بن گیا اس لئے وہ دوسروں کے برخلاف نسل وقومیت کی تفریق سے دُور رہیں اور مشرق ومغرب میں اُن کے اثرات برقرار رہے، دعوتِ محمدیہ نے سبقت اور تنافس کا میدان، حق وصداقت، خیر وصلاح اور صرف اعمالِ صالحہ کو قرار دیا جیسا کہ ارشادِ باری ہے کہ ﴿فَاسْتَبِقُوْا الْخَیْرَاتِ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعاً فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ (سورۂ مائدہ:۴۸) (نیکیوں میں سبقت کرو، تم سب کو اللہ کے پاس لوٹنا ہے جو تمہیں تمہارے اعمال سے باخبر کرے گا) اِس طرح امت نے قبیلے کی،

عدل نے غلبے کی، مساوات نے نابرابری کی اور عمل صالح نے نسبی فخر کی جگہ لے لی، اور انسانی قلوب بغض وعناد کے بجائے محبت اور خیر خواہی کے گہوارے بن گئے۔

عرب انسان کا دل مختلف خداؤں کے درمیان بٹا ہوا تھا جن کی صفات اُس پر واضح نہیں تھیں کبھی وہ اُن کی طرف مائل ہوتا اور کبھی متنفر ہوتا اور اُن سے خیر طلب کرتا اور اُس میں کامیاب نہ ہوتا تو انہیں چھوڑ دیتا اور گالی دیتا تھا جیسے آج کل سوڈان کے حبشی ''کجور'' دیوتا سے بارش مانگتے ہیں اور کچھ دیر انتظار کے بعد جب مایوس ہو جاتے ہیں تو اُسے قتل کر دیتے ہیں، عربوں کے سامنے زندگی گزارنے کا کوئی واضح راستہ اور لوگوں سے معاملہ کرنے کا کوئی نقشہ نہیں تھا اس لئے اسلام نے انہیں خدا پر ایمان کی دعوت دی اور ہر معاملے میں حلال وحرام کی تمیز عطا کی اِس طرح اُن میں خداشناسی وخودشناسی پیدا ہوئی۔

مسلمانوں کے عقیدے نے انہیں توحید اور وحدت کا سبق سکھایا، اس نے انہیں بتایا کہ اللہ ایک ہے، اور لوگوں کی اصلیت ایک ہے اور سب ایک دوسرے کے برابر ہیں، اِسی طرح سب قومیں مساوی ہیں اور پیغمبروں کے تمام مذاہب اصلاً ایک ہیں اور ان کے حقائق ومقاصد میں کوئی اختلاف نہیں۔ قرآن کہتا ہے ﴿شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ (سورہ شوریٰ: ۱۳) (اللہ نے تمہارے لئے وہی دین بنایا جس کی وصیت نوحؑ کو کی تھی اور جو آپ ﷺ کو ہم نے وحی کی ہے اُسی طرح ابراہیمؑ وموسیٰؑ وعیسیٰؑ کو بھی وحی کی تھی کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اِس میں تفرقہ نہ ڈالنا)

اِسی طرح دعوتِ محمدیہ نے فرد وجماعت کے لئے ایک نقشۂ عمل مقرر کیا

اور عربوں کو ایک کر کے ایک قوم بنا دیا اور اُنہیں توحید کا پیغام دے کر انسانوں کے پاس بھیجا کہ سب لوگ ایک امت بن جائیں اور جب موحدین کی یہ امتِ واحدہ دعوتِ توحید لے کر کھڑی ہوئی تو اُس کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹِک سکی اُس کے مقابلے پر کثرتِ تعداد، اسلحے کی قوت، موروثی عقائد، بادشاہوں کی عظمت و ہیبت اور امراء کی شان و شوکت کوئی چیز نہیں ٹھہر سکی اور وہ اللہ کی مشیت سے اپنی منزل تک پہنچی جسے کوئی روک نہیں سکتا، عقیدۂ توحید اور اسکے عالمگیر اثرات میرے نزدیک دعوتِ محمدیہ کا سب سے بڑا معجزہ و کارنامہ ہیں جسے لوگ سمجھنا چاہیں تو وہ آج کے جزیرۃ العرب کو دیکھیں جہاں اسلام پر صدیاں گزر چکی ہیں اور جہاں کسی قدر جاہلیت پھر پیدا ہوگئی ہے جو قبلِ اسلام والی جاہلیت سے بہت کم ہے لیکن کوئی اُس کی اصلاح کے لئے اٹھے تو اُسے کتنی دشواری پیش آئے گی؟

بہت سے مصلحین تو اُس اصلاح کی چوکھٹ ہی پر تھک کر بیٹھ جائیں گے جسے برپا کرنے میں دعوتِ محمدیہ صرف چند برسوں ہی میں کامیاب ہوگئی تھی، جب آپ موجودہ حالت کا ابتدائے اسلام کی حالت سے موازنہ کریں گے تب آپ کو دعوتِ محمدیہ کے قوت و اثر اور اِس امت اور عالم انسانیت پر اُس کے احسانات کا کچھ اندازہ ہوگا، دعوتِ محمدیہ توحید کے ساتھ آزادی کا پیغام بھی لائی تھی جس نے عربوں اور تمام انسانوں کو متأثر کیا، صاحبِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور اس کے آگے ہر عظمت پست ہوگئی اور انسانی نفوس باطل اوہام و خرافات اور جھوٹے عقائد سے آزاد ہو گئے اور عبدیت خالص اللہ کے لئے ہوگئی اور لوگ غیر اللہ سے بے نیاز ہو گئے۔

قرآن کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو ہدایت کی توفیق دیتا اور انہیں ظلمت سے نور، جنت کے دار السلام اور صراطِ مستقیم کی طرف بلاتا ہے اور مؤمنین

کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کرتا ہے۔

دعوتِ محمدیہ سے قبل لوگ ملوک وامراء، مذہبی پیشواؤں اور اوہام وخرافات کے غلام تھے، جن سے اِس دعوت کے طفیل جسمانی اور روحانی دونوں طرح سے آزاد ہوگئے اور انہیں ابدیت کا یہ عقیدہ ملا کہ اُن کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے بلکہ انہیں اُن کا صلہ ملے گا۔

اِس دعوت نے لوگوں کو بتایا کہ نفع وضرر صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور انسان اور اُس کے رب کے درمیان کوئی واسطہ ووسیلہ نہیں بلکہ وہ اُس سے اُس کی رگِ جاں سے بھی قریب تر ہے [۱] اور اس کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے، دین میں کوئی اِکراہ نہیں اور رسول بھی صرف تعلیم وتبلیغ کا مکلّف ہے قرآن میں ہے کہ ﴿فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ (سورۂ غاشیہ:۲۱-۲۲) (آپ ﷺ لوگوں کو یاد دلائیں کہ آپ ﷺ صرف یاددہانی کرنے والے ہیں آپ ﷺ اُن پر مسلط نہیں کئے گئے ہیں) دوسری جگہ کہا گیا ﴿فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا﴾ (سورۂ شوریٰ:۴۸) (اگر وہ اعراض کریں تو ہم نے آپ ﷺ کو اُن کا نگراں بنا کر نہیں بھیجا) دعوت کے ذریعے اِس طرح انسان نے اپنا مقام حاصل کیا اور قلب ونظر اور فکر وعمل کی آزادی پائی اور انسانی وحدت وآزادی کی راہ میں دعوتِ محمدیہ کے دائمی اثرات برقرار رہے۔

نفسِ انسانی کی جو ارتقائی منزل ہوسکتی ہے اُس کے بارے میں حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں ''معرفت میرا رأس المال (سرمایہ) ہے،

[۱] تفسیر بیضاوی میں ہے کہ حبل الورید گردن کی رگ کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم اُس کی شہ رگ کے قریب رہنے والے سے بھی زیادہ اُس سے واقف ہیں علم کے لئے قُربِ ذات کا محاورہ استعمال کیا گیا جو اس کا سبب ہوتا ہے اور حبل الورید قُرب کا ایک محاورہ ہے۔

عقل میرے دین کی اصل ہے، محبت میری اساس ہے، شوق میری سواری ہے، ذکر اللہ میرا انیس و مونس ہے، اعتماد علی اللہ میرا خزانہ ہے، رنج و غم میرا رفیق ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میری چادر ہے، رضائے الٰہی میرا مالِ غنیمت ہے، فقر میرا فخر ہے، زُہد میرا پیشہ ہے، یقین میری قوت ہے، صدق میرا سفارشی ہے، طاعت و عبادت میرا حسب و نسب ہے، جہاد میرا اخلاق ہے، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے"۔

## ۲- دعوت کا اثر افراد پر

افراد پر دعوت محمدیہ کا اثر دیکھنے کے لئے ہم اپنے سامنے حضرت عمرؓ کی مثال رکھتے ہیں، حضرت عمرؓ زمانۂ جاہلیت میں ایک قریشی جوان تھے اور لہو ولعب کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے (۲) جزیرۃ العرب کے شہروں میں مکہ اُن دنوں لہو ولعب کے لئے مشہور تھا جو اُس کے خواہشمندوں کو اپنی طرف کھینچتا تھا، حضرت عمرؓ اس شہر میں اجنبی نہ تھے بلکہ اپنی قوت و مردانگی اور سختی و چیرہ دستی کے لئے مشہور تھے اور ہر حال میں اپنے مخالف کو زیر کرنے اور فتنہ انگیزی کے لئے تیار رہتے تھے، اس طرح وہ دعوتِ محمدیہ کے لئے مکہ کے سب سے خطرناک نوجوان تھے اور اس کے متبعین کو ستانے میں آگے رہتے تھے اِسی لئے وہ نہ اُن کی جارح زبان سے محفوظ رہے اور نہ اُن کے مضبوط ہاتھوں سے۔

ایک بار اُنہیں لیلیٰ بنت ابی حنتمہ نے دیکھا اور اُن میں کچھ نرمی محسوس کی اور اس کا کسی مسلمان سے ذکر کیا مگر یہ بھی کہا کہ کیا تمھیں اُن کے اسلام کی توقع ہے؟ وہ اُس وقت تک مسلمان نہ ہوں گے جب تک کہ خطّاب کا گدھا نہ مسلمان ہو جائے (۳) وہ شخص جس کا مسلمان ہونا کسی جانور کے مسلمان ہونے کی طرح محال تھا اُسے بھی دعوت نے اپنی طرف کھینچا، اُسے صیقل کیا اور اُسے امیر المؤمنین اور فاتحِ ایران و روم

اور عدل، وانصاف کی مثال اور تاریخِ بشری کا سب سے بڑا سیاست داں اور حکمراں بنادیا، دعوتِ محمدیہ پہلے افراد پر اثر انداز ہوئی پھر اُس نے جماعت کو مسحور کیا اور پھر انسانوں اور دنیا کو بدل کر رکھ دیا، اُس نے فرد کو عقائدِ باطلہ کے تسلط سے آزاد کر کے اُس کے فکر ونظر کی عقائدِ صحیحہ کے ذریعے اصلاح کی، اُس نے شریعت وآدابِ صالحہ اور رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے اُس کی تربیت کی جس کے بارے میں قرآن نے کہا ہے کہ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (سورۂ احزاب:۲۱) (تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات اسوۂ حسنہ ہے)

دعوتِ محمدیہ نے اصحابِ رسول ﷺ کے دلوں میں عدل وانصاف سے محبت پیدا کردی تھی جب کہ اُن کے گذشتہ ماحول میں جنگل راج تھا جو حق کو قوت اور انصاف کو تلوار سے وابستہ سمجھتا تھا، جب دعوت نے حضرت عمرؓ کو مہذب بنادیا اور وہ امیر المؤمنین ہوگئے تو خطبہ دیتے ہوئے انہیں ایک عورت ٹوکتی ہے اور وہ رک جاتے اور کہتے ہیں کہ عورت نے صحیح کہا اور عمر نے غلطی کی (۴) جب کہ وہ وہی تھے جنہوں نے زمانۂ جاہلیت میں اپنی بہن کے سر کو زخمی کردیا تھا (۵) ایک بار وہ اپنے عہدِ خلافت میں ایک محتاج کو دیکھ کر رو پڑے کہ اُن کے ہوتے ہوئے کوئی محتاج رہا تو وہ خدا کو کیا منھ دکھائیں گے۔(۶)

دعوت نے عرب کے سنگ دلوں کو ایسا موم بنادیا اور مکہ کے چرواہوں اور معمولی تاجروں کو اور مدینہ کے کسانوں کو ایسا مکمل انسان بنادیا کہ وہ انسانی زندگی کے ہر شعبے کے لئے لائق ترین افراد بن گئے۔ وہ احکامِ الٰہی کے مطابق انصاف کے علمبردار اور عدل کے طرفدار بن گئے اور اس طرح انہیں اُمتِ وَسَط اور لوگوں کے گواہ کا مرتبہ ملا، عربوں کی فتح اور دعوت کی اشاعت میں اِس دعوت کی قوتِ تسخیر

وتعمیر اور خیر پسندی کا دخل تھا، اگر مدرسۂ محمدیہ کے وہ رجالِ کار نہ ہوتے جو مثالی اخلاق کے حامل اور انسانی رہنمائی وحکمرانی کے لئے تیار کئے گئے تھے تو اسلامی فتوحات جزیرۃ العرب سے آگے نہ بڑھ پاتیں اور وفاتِ نبوی اور اَعراب کے ارتداد کے بعد اُس دعوت کا خاتمہ ہوگیا ہوتا، مگر دعوت کے تربیت یافتہ جوانوں نے وفاتِ نبوی کے بعد تیس برسوں تک رسول اللہ ﷺ کا فیضان جاری رکھا کیونکہ خلفاءراشدینؓ عہد رسالت کے جوانوں ہی میں تھے۔

اِسی طرح دعوت کا اثر حبشہ ہجرت کرنے والے جوانوں میں بھی ظاہر تھا، جنہوں نے اپنے عقیدے کی راہ میں اپنے آباءواکابر کی مخالفت مول لی تھی، ہم آپ کونجاشی کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کا موقف یاددلاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت نے اُن کے قلوب کوکس طرح متأثر ومسحور کردیا تھا۔ جب دعوت کے سابقینِ اوّلین نے حبشہ کی ہجرت کی تو اُن میں قریش کے مختلف خاندان اور اکابرِ مکہ اور دشمنانِ اسلام کے قرابتدار نوجوان مردوزن بھی تھے جیسے ان میں مغیرہ، سہیل بن عمرو اور امیہ بن خلف کے لڑکے اور لڑکیاں بھی تھیں، اس لئے اُن کے پیچھے دو چالاک لوگ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ نجاشی اور پادریوں کے لئے پسندیدہ ہدایا کے ساتھ بھیجے گئے اور انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ نجاشی سے بات کرنے سے پہلے ہر پادری کو ہدیہ دے دیا جائے اُس کے بعد نجاشی کو ہدیہ دیا جائے اور پناہ گزینوں کی سپردگی کی بات کی جائے، چنانچہ پادریوں کو ہدیہ دینے کے بعد اُن سے یہ عرض کیا گیا کہ: آپ کے ملک میں ہمارے چند بیوقوف نوجوانوں نے پناہ لی ہے، جنہوں نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں اور ایک نیا دین لائے ہیں جسے نہ ہم جانتے ہیں اور نہ آپ لوگ جانتے ہیں، چنانچہ ہم بادشاہ کے پاس بھیجے گئے ہیں جن میں

قوم کے اشراف، اُن کے باپ اور چچا اور خاندان کے لوگ شامل ہیں کہ وہ انہیں واپس لے جائیں تو جب ہم بادشاہ سے اُن کے بارے میں گفتگو کریں تو آپ لوگ بھی بادشاہ کو مشورہ دیں کہ وہ اُنہیں ہمارے حوالے کردے اور اُن سے بات نہ کرے کیونکہ اُن کی قوم اُن سے اور اُن کے عیوب سے واقف ہے، چنانچہ پادریوں نے اُن سے اتفاق کیا، پھر اُن لوگوں نے نجاشی کو ہدایا سپرد کئے اور پادریوں جیسی گفتگو اس سے بھی کی اور پادریوں نے اُن کی حوالگی کا مشورہ دیا لیکن بادشاہ نے مہاجرین کی بات سنے بغیر اُن کی حوالگی سے انکار کردیا پھر انہیں بلاکر اُن سے پوچھا وہ کون سا دین ہے جس کی وجہ سے تم نے اپنی قوم کو چھوڑا ہے اور ہمارے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہو اور نہ کوئی اور دین اختیار کیا ہے؟ اس پر حضرت جعفرؓ جواب کے لئے کھڑے ہوئے جنہیں پناہ گزینوں نے اپنا نمائندہ بنایا تھا اور انہوں نے یہ طے کیا تھا کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا ہے وہی کہیں گے خواہ انجام جو بھی ہو، چنانچہ حضرت جعفرؓ نے کہا کہ ''اے بادشاہ! ہم جاہل قوم تھے، بتوں کو پوجتے اور مُردار کھاتے تھے، فحش کام کرتے تھے، قطع رحمی کرتے اور پڑوسی کو ستاتے تھے، اور ہمارا طاقتور کمزور کو گویا کھا جاتا تھا، ہم اِسی حال میں تھے کہ اللہ نے ہمارے پاس ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جس کے حسب ونسب، صداقت وامانت اور عِفّت سے ہم اچھی طرح واقف تھے اُنہوں نے اللہ کی توحید اور عبادت کی دعوت دی اور اس کے علاوہ پتھروں اور بتوں کی پوجا سے منع کیا، انہوں نے ہم کو سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی اور پڑوسی سے حسن سلوک کا حکم دیا، اِسی طرح حرام کاری اور خوں ریزی، فحاشی اور دروغ بیانی، مالِ یتیم کے کھانے اور پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانے سے روکا، ہمیں ایک خدا کی عبادت کے علاوہ اُس کے ساتھ شرک سے منع کیا، ہمیں نماز، زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیا اور ہم نے اُن کی تصدیق کی اور اُن پر ایمان لے

آئے اور اُن کے دین کی پیروی کی اور اُن کے حرام کئے کو حرام اور حلال کئے کو حلال جانا، اِس پر ہماری قوم نے ہم پر زیادتی کی ہمیں ستایا اور آزمائشوں میں ڈالا اور ہمارا جینا مشکل کر دیا تو ہم آپ کے ملک اور آپ کی پناہ میں یہ امید لے کر آئے کہ ہم پر آپ کے یہاں ظلم نہ ہوگا، نجاشی نے کہا کہ کیا تمہارے پاس اللہ کے پاس سے آئی ہوئی کوئی چیز ہے؟ تو حضرت جعفرؓ نے ہاں کہا نجاشی نے انہیں پڑھنے کا حکم دیا اور حضرت جعفرؓ نے "کھٰیٰعٓصٓ" (سورۂ مریم) کا ابتدائی حصہ پڑھا جسے سن کر نجاشی رو پڑا اور کہنے لگا کہ "یہ اور عیسیٰؑ کی لائی ہوئی کتاب ایک ہی طاق سے نکلنے والی روشنی ہیں" (۷) اِس دعوت کو اُس زمانے کے نوجوانوں اور اُس سے تعلق رکھنے والوں نے اچھی طرح سمجھا تھا اور اسی کا اثر اُس قریشی نوجوان پر تھا جس نے ایک بادشاہ کے سامنے پوری قوت اور اعتماد سے اُس کا تعارف کرایا، آپ حضرت جعفرؓ کے مختصر کلمات میں دعوتِ محمدیہ اور اُس سے پیدا ہونے والے معاشرے کی پوری تصویر دیکھ سکتے ہیں جس نے فرد کے نقطۂ نظر میں بھی پوری تبدیلی پیدا کر دی تھی اور عرب معاشرے کی قدروں کو بھی نئی قدروں سے بدل دیا تھا، یہ نئی قدریں رسالتِ محمدیہ کی تھیں جس کے نتیجے میں ایسا انقلاب برپا ہوا جس نے عرب کے ساتھ اُن کے پڑوسی ممالک کو بھی متاثر کیا اور جس سے ہم اور دوسرے سب لوگ قیامت تک متاثر رہیں گے۔

دعوت کامیاب ہوئی اور بقول مسٹر ہیل اُس نے ایک آدمی کے عزم وارادے کے آگے پوری قوم کو جھکا دیا کیونکہ اُس نے اُن میں پختہ ایمان اور نیکی کا رجحان پیدا کر دیا تھا اور اُن کو عظمت اور عالمی قیادت کی راہ پر ڈال دیا تھا۔ عربِ جاہلیت اتحاد وتعاون صرف قبائلی حدود تک جانتے تھے اور فخر وغرور اور مال وجاہ کی طلب اُن کا مقصود تھی، لیکن جب دعوت کامیاب ہوئی تو عربوں کا اتحاد اغنیاء وفقراء اور قوی

وضعیف سب کے تعاون سے قائم ہوا، غریبوں کی پرسشِ حال امیروں پر فرض ہوئی اور اِن اخلاقی قدروں پر اسلامی معاشرت وحکومت کی تعمیر ہوئی اور اسلامی آداب وشرائع نے فرد وجماعت کی زندگی میں انقلاب پیدا کردیا، مسٹر ہیل نے اپنی کتاب ''تمدن عرب'' میں دعوتِ محمدیہ کا تعارف اِن زوردار الفاظ میں کرایا ہے ''تمام دینی دعوتوں نے تاریخِ انسانیت میں اپنا اثر چھوڑا ہے اور انبیاء واصحابِ دعوت نے اپنے زمانے کی تہذیبوں اور قوموں پر گہرا اثر ڈالا ہے، لیکن تاریخِ انسانی میں اسلام کی طرح کوئی اور مذہب نظر نہیں آتا جو اِس تیزی سے پھیلا ہو اور اپنے اثر سے دنیا کو بدل ڈالا ہو، اِسی طرح تاریخ میں ہمیں کوئی ایسی دعوت وتحریک نظر نہیں آتی جس کا بانی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اپنے زمانے اور اپنی قوم میں مقبولیت ومحبوبیت رکھتا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئی امت پیدا کردی اور دنیا میں اللہ کی عبادت کے لئے زمین ہموار کردی اور اپنے نیکی وپاکیزگی کے پیغام کے لئے اُسے فتح کیا اور مؤمنین کے درمیان عدل ومساوات کے اصول قائم کردیئے اور انتشار کی شکار اقوام میں نظم وضبط اور اطاعت وفرمانبرداری کی صفات پیدا کردیں''۔

فرد وجماعت پر دعوتِ محمدیہ کے اثرات سے یہ اجمالی بحث تھی اِس کی تفصیل ہم نے اپنی دوسری کتاب ''الرسالۃ الخالدۃ'' میں بیان کی ہے۔

## مراجع ومصادر

(۱) شعب الایمان ج:۲/ ۲۹۸
(۲) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/ ۳۴۶
(۳) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/۳۴۳-۳۴۲
(۴) موسوعۃ آثار الصحابۃ ج:۱ص/ ۳۴۰ بحوالہ سنن سعید بن منصور وابویعلیٰ
(۵) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/۳۴۴ (۶) طبقات ابن سعد ج:۳ص/ ۳۰۱
(۷) سیرت ابن ہشام ج:۱ص/ ۳۳۶-۳۳۳

# ۱۶

# شکل وشمائلِ نبویہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو کچھ عرض کیا گیا وہ آپ ﷺ کے معنوی وروحانی اور انسانی اوصاف واخلاق سے متعلق تھا، اور وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ باطنی صفات کا بیان تھا جو اُس انسانِ کامل میں ودیعت کی گئی تھیں جس کو اللہ نے نوعِ انسانی کا سردار اور ہمیشہ کے لئے اور تمام انسانوں کے لئے اسوہ ونمونہ بنایا تھا، لیکن انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اُس جسمانی شکل وصورت کو بھی دیکھے جس میں وہ اسرار ومعانی اور اخلاق وفضائل پوشیدہ تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے شکل وشمائل کے بارے میں حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت لمبے تھے نہ ناٹے تھے، یعنی اوسط قد وقامت کے تھے، سر بڑا اور داڑھی گھنی اور بڑی تھی، دونوں ہتھیلیاں اور تلوے بھرے ہوئے تھے، گُھٹنے بھی موٹے تھے، چہرے کا رنگ سرخی مائل تھا، سینے سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک لکیر تھی، چلتے وقت کچھ آگے کو جُھکے رہتے گویا بلندی سے اُتر رہے ہوں، میں نے آپ ﷺ سے پہلے اور آپ ﷺ کے بعد کسی کو آپ ﷺ جیسا نہیں دیکھا، آنکھوں کی سفیدی وسیاہی گہری تھی، بال سیدھے تھے، دونوں رخسار برابر اور ہموار تھے، سر کے بال کانوں تک آتے تھے، گردن چاندی کی صراحی لگتی تھی، جب آپ ﷺ کسی طرف متوجہ ہوتے تو پوری طرح متوجہ ہوتے تھے، چہرۂ مبارک کا پسینہ اپنے رنگ وبو میں تازہ موتی معلوم

ہوتا تھا‘‘ (۱) یہ اُس سیپ کا بیان تھا جس میں آپ ﷺ کی شخصیت کا دُرِ یتیم پوشیدہ تھا، اور اُس سے عظمت اور فضل وکمال کے وہ خط وخال ظاہر ہوتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے جسم انسانی میں رکھے ہیں۔

اس لئے اس میں کوئی تعجب نہیں کہ اِس غیر معمولی جسمانی وروحانی کمال کو جو اچانک دیکھتا وہ مرعوب ہوجاتا اور جو آپ ﷺ کے قریب ہوتا وہ آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا اور جان چھڑکنے لگتا تھا ؎

صورت تری تصویرِ کمالات بنا کر
دانستہ مصوّر نے قلم توڑ دیا ہے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

## مراجع ومصادر

(۱) شمائل ترمذی ص/۱- ترمذی ج:۲ص/۲۰۴

# ''مثالی سیرت''

مصر کے مشہور عالم اور اہلِ قلم استاذ عبد الرحمن عزّام نے سیرت نبویہ علی صاحبہا الف الف تحیہ کے اسوۂ حسنہ کے نمایاں اخلاقی وتربیتی پہلوؤں پر تاریخ وسیرت کی روشنی میں بحث کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو بجاطور پر انسانی دنیا کے لئے مثالی اور لائقِ تقلید نمونۂ زندگی کے طور پر پیش کیا ہے۔

کتاب میں ایک مؤرخ کی امانت ودیانت، ایک عالم کی متانت وثقاہت، ایک سیرت نگار کی دیدہ وری وبصیرت، اور ایک مؤمن کی عقیدت وفراست اور ایک ادیب کی ذہانت وثقافت سب کچھ موجود ہے۔

کتاب کے عنوانات سے اس کی اہمیت وجامعیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، یہ سیرت عصری ذہن کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھ کر لکھی گئی ہے اور سیرتِ نبویہ کو مؤثر اور دلنشیں انداز میں پیش کیا گیا ہے اور اس طرح یہ کتاب ذخیرۂ سیرت میں ایک قیمتی اضافہ بن گئی ہے۔

عربی کتاب کا اردو ترجمہ بہت شستہ وشگفتہ، دلکش اور دل نشیں اسلوب میں کیا گیا ہے اور کتاب حسنِ طباعت کا بھی ایک نمونہ ہے، اردو ترجمہ میں حدیث وسیرت اور تاریخ کے مستند حوالوں کی تخریج بھی کی گئی ہے جس سے کتاب کی اہمیت اور افادیت میں اور اضافہ ہوگیا ہے، کتاب سابق شیخ الازہر شیخ محمد مصطفی المراغیؒ کے قیمتی مقدمہ سے بھی مزین ہے، کتاب ''بطل الابطال'' کے نام سے مملکتِ سعودیہ اور دیگر عرب ممالک کی جامعات کے نصابِ درس میں بھی شامل ہے۔ کتاب سیرت کا عطر وخلاصہ ہونے کی وجہ سے اس لائق ہے کہ ہر مسلمان اور جویائے حق انسان اس کا بغور مطالعہ کرے۔

₹ 150/-

تقسیم کار:
اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی
Islamic Book Foundation
AN ISTITUTE OF ISLAMIC RESEARCH & PUBLICATIONS
1781, Hauz Suiwalan, New Delhi-110 002
Mob.: 9313780743
Email: ibookfoundation@gmail.com